

# عظمت و کبر



محمد خالد عابدی



- نام : محمد خالد عابدی
- ولد : محمد عابد (دل آرام اینڈ سنس، بھوپال)
- پیدائش : ۱۷ نومبر ۱۹۴۹ء، بھوپال
- تعلیم : ایم۔ اے (اردو)
- ملازمت : پروگرام ایکزیکیٹیو، آل انڈیا ریڈیو، بھوپال
- مکتبہ عابدیہ، بھوپال کے نام سے ۱۹۷۷ء میں لائبریری کا قیام

# نُقْطَةُ نَوَاسِرِيزِ

”مَنی افسانوں کا گلدستہ“

آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے  
ہیں مزید اس طرح کی شان دار،  
مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے  
ہمارے واٹس ایپ گروپ کو جوائن کریں

ایڈمن پینل

عبداللہ عتیق : 03478848884

صدرہ طاہر : 03340120123

حسنین سیالوی : 03056406067

## جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

کتاب کا نام : نقطہ نوگرین

مصنف کا نام : محمد خالد عابدی

صفحات : ۱۱۲

ناشر : مکتبہ عابدیہ، ۵۴۵- دل آرام ہاؤس، ہوا محل روڈ، بھوپال-۱

کمپوزنگ : محمد افروز قاسمی، ایکٹو کمپیوٹر سینٹر بدھوارہ، بھوپال- موبائل: 9893059352

سال اشاعت : ۲۰۰۹ء

مطبع : بھوپال پرنٹرائینڈ پبلشر ۳۶- چوکی تلیا، بھوپال-۱

قیمت : 150/- (ایک سو پچاس روپے)

## پتہ

محمد خالد عابدی، مکتبہ عابدیہ، دل آرام ہاؤس

۵۴۵- ہوا محل روڈ، بھوپال-۱ ۳۶۲۰۰۱

# انتساب

میرے مُشفق و کرم فرما

ڈاکٹر سید حامد حسین صاحب

کے

نام

جو کہ انگریزی کے پروفیسر اور اردو زبان و ادب

کے قلم کار تھے۔

محمد خالد عابدی

# مینی افسانے

۲۰-۸۵

## سند

- ۶ دیویندر انتر ○
- ۶ جوگندر پال ○
- ۷ ڈاکٹر بشیشر پردیپ ○

## اعتراف

- ۸ محمد خالد عابدی کے افسانچوں کی بنت کاری ○
- ☆ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی
- ۱۳ خالد عابدی "نقطہ نوگریز" کے دائرے میں ○
- ☆ ڈاکٹر عظیم راہی
- ۱۵ کچھ خالد عابدی کے بارے میں ○
- ☆ نثار راہی
- ۱۷ گفتنی ○
- ☆ محمد خالد عابدی

## -۱- دیویندر اسر

”مینی کہانی، بڑے غور سے پڑھی۔ پسند آئی۔ اتنی مختصر لیکن اپنے معانی میں جامع۔ اسے آپ کسی پرچے میں شائع کرائیں۔“ (مکتوب بنام محمد خالد عابدی) ۱۵ ستمبر ۱۹۸۸ء

## -۲- دیویندر اسر

”.....آپ کی مینی کہانیاں بھی پڑھ لی ہیں۔ آپ نے مختلف موضوعات کو پُر اثر طریقے سے قسقی طحوظات کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہ ایک خوشگوار عمل ہے۔ میں نے ان کہانیوں کو دلچسپی سے پڑھا اور متاثر ہوا ہوں۔ عام طور پر ایسی کہانیوں کے بارے میں ہوتا یہ ہے کہ وہ مینی تو ہوتی ہیں، لیکن کہانی نہیں ہوتیں۔ ان کہانیوں میں ایسا نہیں ہے۔ امید ہے آپ اس عمل کو جاری رکھیں گے۔“ (مکتوب بنام محمد خالد عابدی) ۱۵ مارچ ۱۹۹۵ء

## -۳- جوگندر پال

”اگر یہ سچ ہے کہ کوئی تخلیق کتاب کی بجائے قاری کے ذہن میں پوری ہوتی ہے تو اس سچائی کا گواہ کسی اچھے افسانے کو ٹھہرا کر اپنی تشفی کر لیجئے۔ مثلاً محمد خالد عابدی کا یہ افسانچہ، زندگی نامہ:

”صبح جب میں گھر سے باہر نکلا تو ایک سادہ کاغذ کی مانند تھا۔ اور جب

شام کو واپس ہوا تو ایک اخبار تھا۔“



کیا آپ کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس دوسطری کہانی میں واقعی پورے کا پورا زندگی نامہ رقم ہو لیا ہے؟ قاری اسے اب اپنی ذاتی واردات اور تلامذوں کے مطابق جیسے اور جتنا چاہے، جی ہی جی میں بڑھاتا چلا جائے، افسانچے کا اختصار ہی فی الحقیقت اسے اتنا پڑگو بنا دیتا ہے، چہ جائیکہ ہم اُسے محض اس لئے ٹال جانا چاہیں کہ بالا سا تو ہے۔

محمد خالد عابدی جس پُر شوق انہماک سے اس نہایت محبوب ادبی صنف کو کھنگالنے اور اس کی تخلیقی گنجائش دریافت کرنے میں بٹھے ہوئے ہیں۔ اس سے اُمید بندھتی ہے کہ ان کی پیہم شرکتیں ان پر افسانچے کے بیشتر امکانات کے انکشافات کا اسباب کرتی رہیں گی۔“ (مکتوب بنام محمد خالد عابدی) ۱۳ اگست ۱۹۹۳ء

### ۴- ڈاکٹر بشیش پر دیپ ❀❀

”محمد خالد عابدی کی ”مثنیٰ کہانیاں“ اس لحاظ سے کامیاب ہیں کہ ان میں زبان و بیان کی سادگی کے ساتھ وحدت تاثر قائم رہتا ہے۔ چند جملوں میں بڑی بات کہہ جانا خالد عابدی کی خصوصیت ہے۔ ان کی کہانیاں دل و دماغ دونوں کو متاثر کرتی ہیں۔ یہ ان کا پہلا مجموعہ ہے۔ اور اس مجموعے میں کم و بیش دس کہانیاں نہایت عمدہ کہانیوں کے زمرے میں آتی ہیں۔ جیسے ”قومی ایکتا“ ”شہرت“ ”انتخاب“ ”آخری خواہش“ ”پینے کی مہندی“ ”سچا جھوٹا سچا“ ”آدمی کا زہر“ ہم ایک ہیں“ ”رات رات!!“ اور ”جڑوں کا پانی“

میری دعا ہے کہ..... اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔“

(مکتوب بنام محمد خالد عابدی) ۱۳ جون ۲۰۰۵ء

## محمد خالد عابدی کے افسانچوں کی بنت کاری

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی

**محمد** خالد عابدی کے منی افسانچوں کو پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ

موجودہ سماجی مسائل سے متعلق بہت کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

محمد خالد عابدی کے افسانچے اپنی اثر پذیری کی وجہ سے متاثر کرتے ہیں۔

موضوع کی نوک پر تھر تھراہٹ، بے کلی اور بے بسی سے بھرے ان افسانچوں میں تیکھا پن دیکھا جاسکتا ہے۔

محمد خالد عابدی جب افسانچوں کی بنت کاری کرتے ہیں تب الفاظ ان پر فخر

کرتے ہیں جن کی دھمک محسوس کی جاسکتی ہے۔ سوچ کی اعلیٰ سطح سے پہچان دینے والے

افسانچے اپنے مٹی کے لمس میں پیوست ہیں جو اپنا راستہ تلاش کرتے ہیں اور کلاسیکینٹ اور

جدیدیت کے مابین ہل کا کام کرتے ہیں۔ شخص اور سماج کے مزاج و ماحول اور صورت حال کا

منظر نامہ دیکھئے:

”کچھ دنوں سے اس بستی میں گھاسلیٹ کی افراط ہو گئی تھی۔ جھونپڑیوں

میں دیوالی اتر آئی تھی۔ راشن کی مٹھی کھل گئی تھی۔ نلوں سے تیز دھار میں

پانی بہنے لگا تھا۔ زندگی کی تعریف بدل گئی تھی شاید ان بستیوں میں خدا

اُتر آیا تھا۔ اور دیواریں الیکشن کے پوسٹر پہنے ہوئے تھیں۔“

(دھوپ کا موسم)

ایک اور سچائی دیکھئے۔ انسان کی زندگی ایسی حقیقت ہے جو اس کے الگ حصوں میں منقسم ہے اور جسے خالد عابدی نے قریب سے محسوس کیا ہے:

”جب خاص بازار میں ہیرا بانی کو اپنا دھندہ ٹھپ ہوتا نظر آیا تو وہ بمبئی بازار کی اندھیری گلی میں ایک کھولی لے کر رہنے لگی۔ آہستہ آہستہ یہاں ہیرا بانی کا دھندہ چل نکلا۔“

جب ایک نئے گاہک نے اس گلی میں قدم رکھا تو ایک سپاہی سے اس کا سامنا ہو گیا۔ سپاہی کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک سا گیا۔ سپاہی نہایت بے اعتنائی سے اپنا ڈنڈا غیر ضروری طور پر ہوا میں لہراتا ہوا، اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا قریب سے گذر گیا۔ جیسے ہی ہیرا بانی کے کمرے کا دروازہ بند ہوا، تو کچھ وقفے کے بعد دروازے پر ایک زوردار دھماکہ ہوا۔

یہ دھماکہ سپاہی کے ڈنڈے اور اس کی لات کا بھرپور غصہ تھا۔

ہیرا بانی نے جیسے ہی دروازہ کھولا، سپاہی نے اسے ایک سانس میں وہ وہ گالیاں دیں جو شاید اس گلی کے پیشہ ور بھی نہیں بکتے تھے۔

سپاہی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

’ہاں دودن اوپر چڑھ گئے ہیں۔‘ ہیرا بانی نے بیچارگی سے کہا۔

ہیرا بانی نے ابھی تک اپنا ہفتہ نہیں پہنچایا تھا۔“ (ہفتہ)

محمد خالد عابدی کے پیش نظر انسانی رشتے ہیں، جذبے ہیں اور احترام آدمیت کی اہمیت ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ آج ہر طرف دہشت کی حکمرانی ہے۔ عصبیت، فرقہ واریت اور خوف و ہراس کے بیچ لوگ جینے پر مجبور ہیں۔ سماجی اور مذہبی انتشار نے انسان کی

سرشت و فطرت کے معنی ہی بدل ڈالے ہیں:

”گلی، کوچے، سڑک، اور بازار، سناٹوں کا شہر تھا۔ خوف و ہراس نے

لوگوں کو گھروں میں پایہ زنجیر کر دیا تھا۔ کلکاریاں ممتا کی آغوش میں

دفن تھیں۔ وحشی اپنے ہاتھوں میں مہندی رچا ہوئے تھے۔“ (شہر نامہ)

نفسیاتی اُلجھن اور پیچیدگی کو افسانچوں میں تہدار انداز میں پیش کرنے اور

نقابوں سے جھانکنے والے اخلاقی اور تہذیبی اقدار کو محمد خالد عابدی نے نئے وجود کا حصہ

بنانے کی کوشش کی ہے۔ فکر کی ہمہ گیری اور اثر انگیزی الفاظ کے جامے میں دیکھئے:

”اب نہ جانے رسموں اور موسموں میں وہ دلکشی کیوں نہیں رہی۔ شاید

اس لئے کہ رسمیں قسمیں ہی ہو گئی ہیں کہ ہر حال میں نباہتا ہی پڑتی ہیں۔

رسمیں تو ایسی کلیوں کی طرح ہیں جنہیں نسیم و صبا گدگدا کر مسکرانے پر

مجبور کرتی ہیں اور ایک لس سے وہ قبہ پھوٹ پڑتا ہے کہ کائنات

جھومنے لگتی ہے۔“

وہ دونوں جب اپنے ایک دوست کے یہاں جانے کے لئے گھر سے

نکلے تو اس کی بیوی نے پھر بحث و تکرار شروع کر دی۔ وہ بالعموم فرائض اور ذمہ داری

سے فرار چاہتی تھی۔

”کیا دیکھ رہے اے اتنی غور سے۔“

ایک نئی دلہن جس کی مہندی تازہ تھی اور مہاور کارنگ بھی ہلکانہ ہوا تھا اپنے شوہر

مزدور کے ساتھ، ہاتھ ٹھیلے پر لدا بوجھ ڈھور رہی تھی۔ (پیسے کی مہندی)

محمد خالد عابدی کے سوچنے کا انداز روایتی نہیں ہے۔ وہ کسی بھی واقعہ کو منطقی انداز

سے ایک واضح سمت دینا چاہتے ہیں جس کے عمل میں تسلسل ہے اور متحرک رکھنے کا

ضامن بھی ہے۔

”جب وہ نظر سے اوجھل ہونے لگا تو اس کے ہم سفر کی جدائی کے سائے اپنی باہوں میں جکڑنے لگے۔ لیکن وہ ان خوف ناک اندھیروں میں آشاؤں کے چراغ روشن کرتی رہی۔

آج جب وہ کالج جانے لگی تو اس کی نظر قفس میں پھڑپھڑاتے طوطے پر پڑی۔ طوطا نہایت سنجیدہ تھا۔ لیکن اس نے طوطے کی ذات و فطرت پر بھروسہ نہیں کیا۔ کسی قیدی پر نظر سا سلوک کرتی ہوئی وہ اپنے کمرے سے تیزی سے نکل گئی۔

کالج سے واپسی پر ان کی نظر پنجرے پر پڑی، طوطا غائب تھا۔ وہ ٹھنک گئی۔ طوطا پنجرے سے نکل کر منڈیر پر جا بیٹھا تھا۔ لیکن اسے دیکھ کر واپس پنجرے میں آ گیا تھا۔

طوطے کے نہ تو پر کٹے تھے اور نہ ہی اس کی پرواز سلب ہوئی تھی لڑکی کا جہاں آباد تھا۔“ (سچا جھوٹ اور جھوٹا سچ)

محمد خالد عابدی اجتماعی زندگی کے تمام نشیب و فراز سے دوچار ہوتے ہیں اور اس تصادم اور کشاکش کو فن کی صورت میں افسانہوں کا روپ دیتے ہیں۔ اکیسویں صدی کی ایک سچائی کو انہوں نے یوں اُجاگر کیا ہے:

”سُئیل ایک ذہین طالب علم تھا۔ اعلیٰ تعلیم کی سند لے کر وہ جب نوکری کی تلاش میں نکلنے لگا تو اس نے اپنے بزرگوں سے مشورہ کیا۔ اس کے سامنے آرمی کی نوکری تھی، بیک، بیرہ کہنی اور ریڈیو، ٹی وی کی نوکریاں تھیں۔ ان محکمہ جات میں اعلیٰ افسر کی نوکری گویا دست بستہ کھڑی تھی۔ اور بھی ملازمتیں تھیں۔

کسی نے کہا ”بزنس کرو“

”کالج میں پروفیسری.....“

”نہیں نہیں ریلوے جوائن کرو“

خاندان کا ایک فرد جو کافی دیر سے خاموش بیٹھا ہوا تھا، گویا ہوا ”بیٹے تمہارے

باپ پر بہت قرض ہے پولس میں نوکری کرو۔“

اس جہاندیدہ شخص نے ایک ہی جملے میں نکسال کھول دی۔“ (مٹی میں سونا)

محمد خالد عابدی کی شخصیت کی تعمیر طرز، انا اور ذہانت کے عناصر تلاش سے ہوئی ہے۔

ذہانت نے ان کے افسانچوں میں وسعت فکر پیدا کی ہے اور انانے بانکین بخشا ہے طرز سے

بے ساختگی آئی ہے، ایک مثال ملاحظہ کیجئے:

”بھوپال میں اقبال سیمینار منعقد کیا جا رہا تھا۔ تقریب میں گنگا جمنی تہذیب کے

درشن ہو رہے تھے معلوم ہوا کہ اقبال نے گائتری منتر کا بھی ترجمہ کیا تھا۔ رام

اور گروناک کو دل سے خراج عقیدت پیش کیا تھا۔ اقبال میں حب الوطنی کا جذبہ

کسی طرح کم بھی نہ تھا۔ وہ اپنے معاصرین جے شکر پرساد، منشی پریم چند،

درگا سہائے سرور، چکبست اور تلوک چند محروم سے سوائی وطن سے محبت اور اخوت کا

ثبوت دے رہے تھے۔ لیکن اخبار کا نمائندہ پوچھ رہا تھا ”اقبال پاکستان کیوں چلے

گئے تھے؟“

محمد خالد عابدی کے افسانچے گلہائے رنگا رنگ کے گلہتے ہیں، جن میں

انفرادیت ہے، جلوہ افروزی ہے، اجتماعی زندگی کے نشیب و فراز ہیں، لطف اندوز ہونے کی

کیفیت ہے، فکر کی نئی تلاش ہے، طرز کا عمل دخل ہے، عصری جنتیت کی تیز آنچ ہے، فنکارانہ

جووت و فطرت کی جولانیاں ہیں اور زبان کی تطہیر کی حرمت ہے۔

## خالد عابدی، "نقطہ نوگریز" کے دائرے میں

ڈاکٹر عظیم راہی

**مختصر افسانہ**، آج جس طرح مقبولیت کی بلند یوں کو چھو رہا ہے۔ اسی طرح نئی افسانہ / افسانچہ مزید مختصر بلکہ مختصر ترین شکل میں تکنا لوجی اور دور جدید کا ترجمان بن کر مقبولیت کی نئی حدیں پار کرتے ہوئے وقت کی ضرورت بن گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صنف میں اکثر لکھنے والوں نے خوب شدت سے طبع آزمائی کرتے ہوئے اپنا نام اور اس نئی صنف کو قبولیت کا درجہ عطا کرنے میں اپنا نمایاں رول ادا کیا ہے۔ یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان میں زیادہ تر نئی نسل کے لکھنے والے بڑی تعداد میں شامل ہیں کہ یہ نسل زیادہ ذہین تیز اور تیز گام ہیں جو وقت کی ضرورت کو سمجھ کر وقت کے ساتھ چلنے کے ہنر سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ دراصل اس نسل نے اسے اپنے دور سے ہم آہنگ کر کے اس صنف کو دوسری اہم اصناف کے مقابل کھڑا کرنے کا اہم فریضہ انجام دیا ہے۔ ایسے ہی لکھنے والوں میں بھوپال کے خالد عابدی کا نام بھی شامل ہے۔

خالد عابدی ایک عرصے سے اپنی ان مختصر تحریروں سے میڈیا پروردور کے قارئین کو جو ناظرین زیادہ ہیں، متوجہ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ خالد عابدی کے افسانچے معاشرتی اور تہذیبی زندگی کے نئے مسائل کی جہاں بڑی خوبصورت عکاسی کرتے ہیں۔ وہیں سماج میں پھیلی نا برابری، نا انصافی، تعصب اور فرقہ پرستی کی بنیادی وجہ یعنی اس مرض کی نبض کو پکڑنے میں کامیاب ہیں۔ اس تشخیصی عمل تخلیق میں ان کی بے باکی اور بے ساختگی دیدنی ہے۔ ساتھ ہی طنز کا انداز اس موضوع کی شدت تاثر کو اور سوا کرتا ہے۔ تعصب کی اس پختی فضا سازی کو انہوں نے "جاں نثاران ہند" اور "ذہنی بلندی" جیسے

افسانچوں میں بے نقاب کیا ہے تو ”قومی ایکتا“ ”صلیب بردوش“ ”جغرافیہ کا شہر“ ”شہر نامہ“ میں ملک کے فسادات کا گہرا عکس بھی ہے۔ اس سچائی کا بے رحمانہ اظہار اور سفاکانہ اقرار بھی ہے۔ دیگر موضوعات پر لکھے افسانچوں میں ”زندگی نامہ“ ”دھوپ کا موسم“ ”جہیز“ ”آدمی کا زہر“ ”معاوضہ“ ”آخری خواہش“ ”اور مٹی میں سونا“ وغیرہ میں وہ زندگی کے کئی جیتے جاگتے روپ کو بڑے اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ جو قاری کو متاثر کن کیفیت میں پہنچا دیتے ہیں۔ زندگی کے ان مختلف رنگوں کی مختصر کہانی پڑھنے والے کے ذہن میں پھیل کر مسلسل گردش کرتی رہتی ہیں۔ ان کے اسلوب میں موجود انفرادیت اسی امتزاج میں پنہاں ہے کہ آغاز اور انجام، ان چھوٹی چھوٹی کہانیوں میں بڑی جامعیت کے ساتھ نمایاں طور پر نظر آتے ہیں جو ان افسانچوں میں نقطہ عروج پر پہنچ کر زبردست تحیر اور تذبذب کے ساتھ تجسس کا ایک ایسا سماں پیدا کرتے ہیں کہ پڑھنے والے پر یکا یک چونکا دینے والی کیفیت طاری ہو جاتی ہے یہ بہر حال کسی بھی افسانچہ نگاری کے لئے کامیابی کی دلیل ہوتی ہے وہیں فن افسانچہ کے لئے لازمی جز قرار پاتی ہے۔

بہر کیف، اختصار کے باوصف ان افسانچوں میں افسانہ کے دیگر اجزائے ترکیبی کی بہتر انداز میں موجودگی، نمائندگی اور نقطہ عروج کو چونکا دینے والی ڈرامائی کیفیت (جو تاثیر کی شدت پیدا کرتی ہیں) جیسی خوبیاں خالد عابدی کو ان افسانچہ نگاروں کی صف میں لاکھڑا کرتی ہے۔ جن سے مستقبل میں مزید بہتر افسانچوں کی امید کی جاسکتی ہے۔ اور جس سے صنف افسانچہ کا مستقبل اور بھی تابناک بن سکتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا اور نہ ہی اسے قبل از وقت پیش قیاسی سے تعبیر کیا جائے گا۔ میری نیک تمنائیں خالد عابدی کے ساتھ ہیں انہیں ”نقطہ نوگریز“ کی یہ خوبصورت گلدستہ حیات مبارک ہو۔



## کچھ خالد عابدی کے بارے میں

نثار راہی

خالد عابدی کے مٹی افسانے میں نے پڑھے ہیں۔ اُن کو پڑھ کر میں چونک گیا۔ کیونکہ ان کے افسانوں کے خالق کا ذہن افسانوں کی لہلہاتی کھیتی کے لئے زرخیز ہے۔ یہ وہ بیدار ذہن ہے جو سماج پر گہری نظر رکھتا ہے اور جو معمولی سے نظر آنے والے واقعات کے کوئی نہ کوئی غیر معمولی پن اور سماج کے عیوب کو کیچ کر لیتا ہے۔ اور بس افسانہ بن جاتا ہے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ خط کا مضمون بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر، اسی طرح میں کہتا ہوں

کہ میں نے خالد عابدی کے مثنیٰ افسانے پڑھ کر ہی سمجھ لیا کہ وہ طویل اور معیاری افسانے بھی باسانی لکھ سکتے ہیں اور اپنے آپ کو باقاعدہ یعنی ریگولر افسانہ لکھنے والے افسانہ نگاروں کی فہرست میں جب چاہیں شامل کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ اپنے ریڈیو اسٹیشن کے کاموں کی عدیم الفرستی میں سے کچھ وقت افسانہ نگاری کے لئے وقف کر دیں۔

میں نے خالد عابدی کے مثنیٰ افسانے ”زندگی نامہ“ ”قومی ایکتا“ ”دھوپ کا موسم“ ”روٹی کی قیمت“ اور ”انتخاب“ وغیرہ خصوصاً پسند کئے ہیں۔

جناب خالد عابدی کی شخصیت ہمہ جہت ہے اور وہ ایک مجسم ادیب ہیں۔ ان کا ذہن ہمیشہ ادبی کاموں میں مصروف رہا ہے اور انہوں نے کئی موضوعات پر بے شمار مضامین تحریر کئے ہیں اور تخلیقات کی ہیں۔ خصوصاً ڈرامے، افسانے، انٹرویوز اور فلمی مضامین۔ خالد عابدی نے نثر میں ہر موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔ یعنی وہ نثر کے ہر شعبے میں دخل رکھتے ہیں اور اسلئے میں کہتا ہوں کہ وہ ایک مجسم ادیب ہیں اور ان کی شخصیت اور مزاج پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ وہ ایک بہت مخلص انسان ہیں اور ان کی شخصیت بڑی پیار بھری ہے جانا انجانا جو کوئی بھی ان سے ملتا ہے تو ان کی پُرکشش شخصیت کے سحر سے بندھ جاتا ہے۔ ان کی شخصیت میں مقناطیس ہے، جو قدرت کسی کسی کو ہی عطا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر انسان ان کو اپنا دوست بنانا چاہتا ہے۔ خالد عابدی جیسے، مخلص انسان اور مکمل ادیب آج کے دور میں کمیاب ہیں۔ میری خواہش ہے کہ وہ نثر کے سارے شعبوں سے اپنی توجہ ہٹا کر صرف افسانہ پر لگائیں۔ زندگی کے بے شمار موضوعات سے بھرپور افسانہ ان کی جانب حسرت سے دیکھ رہا ہے اور جب وہ افسانے سے سنجیدگی سے ناٹھ جوڑ لیگے تو آپ دیکھیں گے کہ افسانے کے کھیت میں بے شمار رنگ برنگے پھول کھل اُٹھے ہیں۔

## گفتنی:

پیش نظر مجموعہ جو کہ ”نقطہ نوگریز“ کے نام سے ہے۔ اس مجموعہ میں مشمولہ منی کہانیاں ۸۵-۱۹۸۳ء سے لکھنا شروع کی تھیں نیز اسی زمانہ سے شائع ہوتی رہی ہیں۔ ان منی کہانیوں کے بارے میں مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ان کی وجہ تخلیق، تہلید، نقل، ناموری وغیرہ نہیں ہے بلکہ یہ منی کہانیاں ایک کیفیت، آمد، اور نزول کا باعث رہی ہیں۔

جناب دیویندر اتر صاحب، جناب جوگیندر پال صاحب، اور جناب بشیش پر دپ صاحب کی حوصلہ افزاء آراء نہ ہوتیں تو شاید ان منی کہانیوں کو مجموعہ کی شکل نصیب نہ ہوتی۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر عظیم راہی صاحب اور افسانہ نگار نثار راہی صاحب کی نظروں سے بھی یہ منی کہانیاں گزر چکی ہیں۔ نہ صرف یہ کہ یہ منی کہانیاں اخبار و رسائل میں شائع ہو کر ان کے مطالعہ میں رہی ہیں بلکہ ان منی کہانیوں پر ان کے تاثرات ہیں جو اس مجموعے کی زینت بھی ہیں۔

منی افسانے کے نام پر بعض حضرات فراخ دل واقع نہیں ہوئے ہیں۔ جب کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ شاعری میں مسلسل تجربات ہو رہے ہیں۔ رسائل ان تجربات کو اپنے صفحات دے رہے ہیں۔ بلکہ ان تجربوں کو خصوصی اشاعتوں میں بھی شامل کیا جا رہا ہے۔

میں نے ہندی زبان و ادب کے متعدد رسالوں میں، اخباروں میں منی افسانوں کا مطالعہ کیا ہے۔ نیز ہندی زبان کے رسائل نے منی افسانوں پر خصوصی نمبرات کی اشاعتوں کا اہتمام کیا ہے۔ لیکن اردو میں اس کا فقدان ہے۔

میں اردو میں منی افسانے سے مایوس نہیں ہوں۔ روز افزوں منی افسانوں کے مجموعے شائع ہو رہے ہیں۔ یونیورسٹی سطح پر بھی منی افسانے کو قابلِ اعتناء سمجھا جا رہا ہے۔ میں شکر گزار ہوں جناب اقبال مجید صاحب کا موصوف نے میرے منی افسانوں پر اطمینان فرمایا۔ اور اپنی تحریر مرحمت فرمائی۔

محمد خالد عابدی

۲۰	زندگی نامہ	-۱
۲۱	جاں نثاران ہند	-۲
۲۲	قومی ایکتا	-۳
۲۳	صلیب بردوش	-۴
۲۴	شہر نامہ	-۵
۲۵	دھوپ کا موسم	-۶
۲۶	روٹی کا پیٹ	-۷
۲۷	جہیز	-۸
۲۸	زخم تمنا	-۹
۲۹	ہفتہ	-۱۰
۳۰	جغرافیہ کا شہر	-۱۱
۳۱	شہرت	-۱۲
۳۲	روٹی کی قیمت	-۱۳
۳۳	انتخاب	-۱۴
۳۴	آخری خواہش	-۱۵
۳۵	ہم ایک ہیں	-۱۶
۳۶	حضور آداب عرض ہے	-۱۷
۳۹	پینے کی مہندی	-۱۸
۴۰	سچا جھوٹ اور جھوٹا سچ	-۱۹
۴۱	مٹی میں سونا	-۲۰
۴۲	کافد کا پیٹ	-۲۱
۴۳	گھر کا شہر	-۲۲
۴۶	رات ! رات !!	-۲۳
۴۸	آدمی کا زہر	-۲۴

۴۹	جزوں کا پانی	-۲۵
۵۰	مہاتما جی	-۲۶
۵۱	جنارے کا سرکاری ریٹ	-۲۷
۵۳	پناہ گاہ	-۲۸
۵۴	وہنی بلندی	-۲۹
۵۵	معاوضہ (۱)	-۳۰
۵۷	معاوضہ (۲)	-۳۱
۵۹	احمق	-۳۲
۶۰	کہانی کی کہانی	-۳۳
۶۲	بمیر انعام	-۳۴
۶۳	یکمشت	-۳۵
۶۷	کتبہ	-۳۶
۶۹	پانسہ	-۳۷
۷۱	کہانی کا خواب	-۳۸
۷۳	ٹھل پیادہ	-۳۹
۷۴	تمغوں کی ساکھ	-۴۰
۷۵	بشن	-۴۱
۷۶	خوابوں کا طلسم	-۴۲
۷۸	نجات	-۴۳
۷۹	پاروی	-۴۴
۸۰	خوشبو کا ذائقہ	-۴۵
۸۲	خون کی پہچان	-۴۶
۸۳	مذہب	-۴۷
۸۵	فنکار	-۴۸

## زندگی نامہ ••

میں

جب صبح گھر سے باہر نکلا تھا۔

ایک سادہ کاغذ کی مانند تھا۔

شام کو جب واپس ہوا

تو ایک اخبار تھا



## جاں نثارانِ ہند ❁❁

دیواروں کے پی جی بی ٹی کالج میں سالانہ جلسہ تھا۔ کالج کے ہال کو ڈیہن کی مانند سجایا گیا تھا۔ ہال میں اڈا پر دائیں بائیں جاں نثارانِ ہند، گاندھی جی، نہرو جی، لوکمانیہ تلک، سردار پٹیل، ڈاکٹر رادھا کرشنن، سوامی دیانند، چندر شیکھر آزاد، بھگت سنگھ اور رام پرشاد بیکل، مہارانا پرتاپ، شیواجی کی بڑی بڑی خوبصورت تصویریں آویزاں تھیں۔

یہ تصویریں ہمارے ملک ہندوستان کی عظیم شخصیات کی تھیں۔ جاں نثاروں کی تھیں، وفاداروں کی تھیں۔

یکے بعد دیگرے تصویریں دیکھنے کے بعد، میرے ذہن کی دیوار پر کچھ نقوش ابھرنے لگے۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، اشفاق اللہ، فضل حق خیرآبادی، بہادر شاہ ظفر اور برکت اللہ بھوپالی.....

کیا یہ غداںِ وطن کی تصویریں تھیں۔؟؟؟

## قومی ایکٹا

**جسب** ایک غیر ملکی صحافی ہمارے ملک ہندوستان آیا تو وہ یہاں کی تاریخی عمارتوں سے کافی متاثر ہوا۔ وہ یہاں کے موسموں سے خوب لطف اندوز ہوا نیز یہاں کی تہذیب و تمدن کے بارے میں معلوم کر کے عیش عیش کرنے لگا۔

اُس غیر ملکی صحافی نے اپنے تاثرات میں لکھا:

”ملک ہندوستان دُنیا کے تمام ممالک میں جنت کا مقام رکھتا ہے۔“

پھر وہ ایک اجنبی سے ملا، اور اُس سے پوچھنے لگا۔ آپ کے یہاں ایسا کونسا موقع ہوتا ہے جب ہندو مسلمان ایک ہو کر.....“

اجنبی کو اس سوال سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اُس نے کوفت محسوس کرتے ہوئے

کہا ”فساد“

”یہ کب ہوتا ہے؟“ غیر ملکی صحافی نے اسے کوئی مقدس تہوار سمجھا

”بالعموم تہواروں کے موقعوں پر۔“ اجنبی نے چوکر کہا۔



## صلیب بردوش ❀❀

مذہب، کو بُنیاد بنا کر شہر میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا تھا۔ بڑے بڑے اسپیکر اپنی تیز اور دل خراش آواز میں مقررین کی شعلہ بیانی اُگل رہے تھے۔ سب سے ہوئے عوام اپنے گھروں کی چاردیواری میں مقید اس خوفناک ماحول کو ٹالنے کے لئے اپنے معبود سے دُعا میں مانگ رہے تھے۔

شہر میں ایک عجیب ماحول تھا۔

عوام کے چہروں پر سوالوں کی لکیریں اُبھر رہی تھیں کہ کہیں نا خوشگوار واقعہ پیش نہ آجائے۔!!

آخرش وہ مسموم ہوا کا جھونکا شہر سے گزر گیا۔ عوام نے اطمینان محسوس کیا، اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کی۔

## شہر نامہ ••

**گلی** ، کوچے سڑک اور بازار، سٹاٹوں کا شہر تھا۔ خوف و ہراس نے لوگوں کو گھروں میں پابہ زنجیر کر دیا تھا۔ کلکاریاں ممتا کی آغوش میں دفن تھیں۔ وحشی اپنے ہاتھوں میں مہندی رچائے تھے۔



## دھوپ کا موسم ❀❀

کچھ دنوں سے اُس بستی میں گھاسلیٹ کی افراط ہو گئی تھی۔ جھونپڑیوں میں دیوالی اُتر آئی تھی۔ راشن کی مٹھی کھل گئی تھی۔ نلوں سے تیز دھار میں پانی بہنے لگا تھا۔ زندگی کی تعریف بدل گئی تھی۔

شاید اُن بستیوں میں خدا اُتر آیا تھا۔

اور دیواریں، الیکشن کے پوسٹر پہنے ہوئے تھیں۔



## روٹی کاپیٹ ❀❀

سردی کی شدید ترین لہر نے زندگی کی تمام تر مصروفیات کو جمود کا تودہ بنا دیا تھا۔ رئیسوں کے آتشکدے بھی اُس شدید لہر کا مقابلہ نہیں کر پارے تھے۔

اور پھر چار دن کے بعد، سورج طلوع ہوا، اور اُس نے اپنی بھرپور تمازت سے سخت گرمی کا اعلان کیا تو نیکیلی کرنیں اُس کے بدن میں پیوست ہو گئیں، اُس وقت بھی اُسے کوئی احساس نہ تھا۔ وہ کوئی سنگ و خشت نہیں تھا، اور نہ ہی کوئی عجوبہ۔

وہ گڑھے کھودنے والا ایک معمولی مزدور تھا۔

## جھیز \*\*

وہ ایک رئیس خاندان میں پیدا ہی گئی تھی۔ لڑکی نہایت حسین و جمیل تھی اور تعلیم یافتہ بھی۔ لیکن لڑکی کی یہ دولت، لڑکے والوں کی دولت نہ تھی۔ لڑکی اپنے گھر والوں سے آخری بار گلے مل رہی تھی۔

برات میں لایا گیا ٹرک خالی کھڑا تھا۔

## زخم تمنا ❁❁

اُس کی شادی ہوئے دس سال ہو گئے تھے۔ اُس کا شوہر ایک کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ وہ شوہر کے جانے کے بعد دن کو پہاڑ سمجھتی تھی۔ دُور آسمان میں اُڑنے والے خوبصورت پرندے اُس کے آنگن میں نہیں اُترتے تھے۔

کیاریوں میں لگے پیڑ پودے شاداب نہیں تھے۔ وہ ابھی تک کُنواری تھی۔



## ہفتہ

**جب** خاص بازار میں ہیرا بائی کو اپنا دھندہ ٹھپ ہوتا نظر آیا تو وہ بمبئی بازار کی اندھیری گلی میں ایک کھولی لے کر رہنے لگی۔ آہستہ آہستہ یہاں ہیرا بائی کا دھندہ چل نکلا۔ جب ایک نئے شخص نے اُس گلی میں قدم رکھا تو ایک سپاہی سے اُس کا سامنا ہو گیا۔ سپاہی کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک سا گیا۔ سپاہی نہایت بے اعتنائی سے اپنا ڈنڈا غیر ضروری طور پر ہوا میں لہراتا ہوا، اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا قریب سے گزر گیا۔ جیسے ہی ہیرا بائی کے کمرے کا دروازہ بند ہوا۔ تو کچھ وقفے کے بعد دروازے پر ایک زوردار دھماکہ ہوا۔

یہ دھماکہ، سپاہی کے ڈنڈے اور اُس کی لات کا بھرپور غصہ تھا۔

ہیرا بائی نے جیسے ہی دروازہ کھولا۔ سپاہی نے اُسے ایک سانس میں وہ وہ گالیاں بک دیں جو شاید اُس گلی کے پیشہ ور بھی نہیں بکتے تھے۔

سپاہی نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

”ہاں دو دن اوپر چڑھ گئے ہیں۔“ ہیرا بائی نے بے چارگی سے کہا۔

ہیرا بائی نے ابھی تک اپنا ہفتہ نہیں پہنچایا تھا۔

## جغرافیہ کا شہر ❀❀

میرا بچہ اسکول کی تعلیم کے علاوہ گھر پر بھی والد صاحب سے پڑھتا ہے۔ آج وہ اُسے جغرافیہ پڑھا رہے تھے۔ جغرافیہ پڑھانے کے دوران اُنہیں ہندوستان کے نقشے کی ضرورت پیش آئی۔ وہ اپنے کمرے میں گئے اور ہندوستان کا نقشہ اُتار لائے۔

”دیکھو یہ ہے اُتر پردیش کا شہر۔ مُراد آباد۔“ والد صاحب نے مُراد آباد کہہ کر اُس جگہ اُننگلی رکھ دی۔ ”یہاں کے منقش ظروف بہت مشہور ہیں۔“ والد نے اُس شہر کی خصوصیت بتائی۔

”دادا ابا یہیں پر تو عید کے دن.....“

”خاموش، جو ہم بتا رہے ہیں وہ سُنو۔“



## شہرت ❀❀

ایک شاعر نے ایک نظم کہی۔ وہ نظم مشاعرہ میں پڑھی۔ شاعر کو خاصی داد ملی۔  
لیکن ایک اور شاعر کے مقابلے میں وہ نظم مقبول نہ ہو سکی۔ چند دنوں بعد ایک دیوار  
پر اردو ہندی میں پوسٹر چسپاں تھے۔ پوسٹر پر جلی حروف میں لکھا تھا۔

”ہمارے دھرم کے ساتھ مذاق کیا گیا ہے۔“

خبر، شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

ایک تحقیقاتی کمیشن بیٹھا۔

نظم کا تجزیہ کیا گیا۔ ایسی کوئی بات نہیں نکلی جس سے کسی مذہب یا فرقے کو ٹھیس

پہنچتی ہو۔ لیکن شاعر کی نظم کا شہر شہر، قریہ قریہ اور اخبار و رسائل میں خوب چرچا رہا۔

## روٹی کی قیمت ❁❁

ایک نوجوان، ایک نابینا فقیر کو سہارا دے کر ہوٹل میں لا رہا تھا۔ نوجوان نے نہایت ادب و احترام سے اس نابینا فقیر کو ہوٹل کی بیچ پر بیٹھا دیا۔ بظاہر وہ نوجوان اچھی حیثیت کا مالک نہیں تھا نہ ہی وہ خوش لباس تھا۔ نوجوان کو دیکھ کر یہ اندازہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے دل میں کسی بھڑکے کے لئے ہمدردی کا جذبہ بھی ہے۔

میں اُن دونوں کو بغور دیکھتا رہا۔

ذہن میں اچانک یہ سوال پیدا ہوا کہ آخر اس ہمدردی کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ وہ اُس کا عزیز تھا نہ شناسا۔ جب وہ کھانا کھا چکا تو نوجوان نے اپنا منہ اُس کے کان تک لے جاتے ہوئے استفسار کیا؟

”بابا آج کیا آئے گا۔؟“

## انتخاب

ایک دلخراش حادثے سے متاثر ہو کر میں نے اسی روز ایک افسانہ لکھا۔ کچھ دنوں بعد اپنے شہر کے ایک مقبول افسانہ نگار کے پاس وہ افسانہ لے گیا۔ افسانہ نگار نے افسانہ سننے کے بعد مجھے مشورہ دیا کہ یہ افسانہ فلاں رسالے کو پہنچا دو۔ میں نے کہا یہ افسانہ آپ کو سنانے سے پہلے اسی رسالے میں پہنچایا تھا۔

افسانہ نگار نے مجھ سے وہ افسانہ لے کر کچھ دنوں بعد آنے کے لئے کہا۔ اور پھر ایک دن جب میں سفر سے اپنے شہر واپس آ رہا تھا، تو وقت گزاری کے لئے میں نے ایک رسالہ خرید لیا۔

میری کہانی اُس رسالے میں شائع ہو گئی تھی وہی عنوان وہی کہانی۔

اب میں اُس کہانی کا محض قاری تھا۔!

## آخری خواہش ❀❀

جیل میں کچھ مجرم پولس والوں کے ہاتھوں زد و کوب کئے جا رہے تھے، یہاں تک کہ مجرم کی پاداش میں اُن کو اندھا کر دیا گیا۔

مُلک میں ”وکلانگ ورش“ کسی جشن کی طرح منایا جا رہا تھا۔

اُن مجرموں کو عدالت سے پھانسی کا فیصلہ ہوا تھا۔

جب انھیں پھانسی دینے کا وقت آیا تو جیلر نے اُن قیدیوں سے آخری خواہش دریافت کی تو دو چار قیدیوں نے ایک آواز ہو کر ”کچھ نہیں“ کہا۔

لیکن..... ایک نوجوان قیدی نے کہا۔

”میں روشنی دیکھنا چاہتا ہوں۔“

جج، جیلر اور پولس کے افسران ایک دوسرے کا چہرہ پڑھ رہے تھے۔

## ہم ایک ہیں ••

**میں** اندور کے آزادنگر میں ایک کرایہ کے مکان کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ کئی مکان دیکھنے کے بعد ایک مکان پسند آیا۔ کرایہ دو ہزار روپے ماہوار۔ مکان کی سچوئشن پسند تھی۔ چنانچہ کرایہ بھی قبول تھا۔

جب میرے دوست نے مالک مکان کو بتایا کہ یہ بھی میرے ساتھ آکاش وانی میں ہیں تو مالک مکان مسکرا کر میرا استقبال کرتے ہوئے اندر لے گیا، اور مکان کی تمام سہولت بتانے کے بعد اُس نے میرا نام پوچھا۔

”.....“ میں ابھی اپنا پورا نام بھی اُسے بتانہ پایا تھا کہ اُس نے کھسیاتے ہوئے کہا۔

”معاف کیجئے گا مکان نہیں دے سکیں گے۔“

## حضور آداب عرض ہے ❁❁

**اُستاد** رمضان خاں خاندانی طبلہ نواز تھے، بہترین فنکار تھے۔ ریاست کے زمانے میں نوابوں اور رجواڑوں کے یہاں مہمان رہا کرتے تھے۔ نواب اختر الزماں نے شاید اپنے شہزادوں کو اس لاڈ پیار سے نہ پالا ہوگا۔ جس ناز و نعم سے سنگیت کاروں، گویوں اور شاعروں کو پالا تھا۔ نواب اختر الزماں نے ملک سے ایک سے بڑھ کر ایک طبلہ نواز اپنے دربار میں جمع کئے تھے۔

اُستاد کے جسم و جاں میں سرسوتی ساکشات اُتر آئی تھیں۔ وہ جب دایاں بایاں لے کر بیٹھتے تو اُن کے سامعین و ناظرین عیش عیش کر بیٹھتے۔ اُستاد کے بعض قریبی دوستوں کا تو یہاں تک کہنا تھا کہ وہ بے تکان بجایا کرتے تھے۔ اس اثناء میں وہ کب نیند کی ضرورت پوری کر لیتے تھے، سامنے بیٹھا شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

اُستاد کو طلبے پر اتنا کمال حاصل تھا کہ اچھے اچھے طلبہ نواز اُن کے سامنے پانی بھرتے تھے۔ کچھ بدخواہوں نے تو مارے حسد کے استاد کو زہر کھلانے پلانے کی گھناؤنی سازش بھی کی تھی۔ لیکن وہ کہتے ہیں نا سانچ کو آئینچ نہیں۔ وہ ایسے زہر کے گھونٹ نہ معلوم کب سے پی رہے تھے۔ لیکن جسے خُدا رکھے اُسے کون چکھے۔

اُستاد، نواب اختر الزماں کے درباری طلبہ نواز تو تھے ہی لیکن کبھی کبھی خصوصی فرمائش پر وہ دیگر ریاستوں میں بھی بجا آیا کرتے تھے کہ اُس کی گونج وہاں کے درود یوار جذب کر لیا کرتے تھے۔

ذوالفقار علی شطاری نے جب اُن کا طلبہ سنا تو بے ساختہ آفریں سُحمان اللہ واہ واہ کہتے ہی رہے۔ شطاری کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ معمولی فنکار کی تو، تو صیغ ہی نہیں فرماتے تھے۔ لیکن اُستاد رمضان خاں نے اُن سے اپنا قرض ادا کرا ہی لیا تھا

”اُستاد، ٹی۔ وی کو بھی عزت بخشئے۔“

”میرا فن فرمائشی پروگرام نہیں ہے“ اُستاد نے ٹکا سا جواب دیدیا۔

”اُستاد آپ کو تو صرف حاضری رجسٹر پر چڑیا بٹھانا ہے۔“

آخرش نواب اختر الزماں کے اصرار نے اُستاد کو ٹی۔ وی اسٹیشن کی سیڑھیوں تک

پہنچا ہی دیا۔

ڈائریکٹر ذوالفقار علی شطاری خود کھڑے ہو کر ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے

اپنے کمرے تک لائے تھے۔

اُستاد کو نواب اختر زماں کی محفل اور ٹی۔ وی کے اسٹوڈیو میں کوئی خاص فرق

محسوس نہیں ہوا فن کی داد دینے والے یہاں بھی تھے اور وہاں بھی موجود تھے۔

استاد من موجی اتنے کہ جب ان کا جی چاہا تو کہیں بجائے اور نہ بجانے پر آئیں تو نواب اختر زماں کا مؤڈ بھی خراب کر دیں۔ تان سین ساروہ میں استاد رمضان خان نے اپنے فن کا وہ مظاہرہ کیا کہ خود ہی کہہ اٹھے۔

”مجھے بھی آج معلوم ہوا کہ میرا اتنا زبردست ریاض ہے“

استاد کی انگلیاں جب طبلے پر رقص کر رہی تھیں اور وہ آنکھیں موندے اپنے ماحول سے بے نیاز تھے تو ڈائریکٹر نہایت محو ہو کر سن رہے تھے۔

صبح اخباروں میں بڑی بڑی تصویروں کے ساتھ ان پر خبریں اور فچر شائع ہوئے۔ مبارکبادیوں اور بدھائیوں کا سلسلہ تادیر قائم رہا۔

آج جب وہ حسب معمول میوزک روم میں بیٹھے صوفے پر ہی ٹھیکہ دے رہے تھے۔ چپراسی نے آکر کہا۔ ”آپ کو صاحب یاد کر رہے ہیں۔“

میوزک روم میں بیٹھے دوسرے ساتھیوں نے کہا۔ ”مبارکباد تو آپ لے لینا، مٹھائی کا ڈبہ ادھر لے آنا۔“

استاد رمضان خان نے پان سے بھرے ہوئے ہونٹ صاف کئے۔ چھڑی اٹھائی اور گنگناتے ہوئے کمرے کے دروازے پر نیم پلیٹ پر نظر ڈالی اور اندر داخل ہو گئے۔

”حضور آداب عرض ہے.....“

”کل رات آپ نے طبلہ بجانے کی پریشن.....“

استاد رمضان خان اپنے سینے کے درد کو سہلاتے ہوئے ٹی۔وی اسٹیشن کی میٹریاں اتر رہے تھے۔



## پسینے کی مہندی ❀❀

اب نہ جانے رسموں اور موسموں میں وہ دلکشی کیوں نہ رہی۔ شاید اس لئے کہ رسمیں قسمیں ہی ہو گئی ہیں کہ ہر حال میں نباہنا ہی پڑتی ہیں۔

رسمیں ایسی کلیوں کی طرح ہیں جنہیں نسیم و صبا سدھد کر مسکرانے پر مجبور کرتی ہیں اور ایک لمس سے وہ قہقہہ پھوٹ پڑتا ہے کہ کائنات جھومنے لگتی ہے۔

وہ دونوں جب اپنے ایک دوست کے یہاں جانے کے لئے گھر سے نکلے تو اس کی بیوی نے پھر بحث و تکرار شروع کر دی۔

وہ بالعموم فرائض اور ذمہ داری سے فرار چاہتی تھی۔

”کیا دیکھ رہے ہو اُسے اتنی غور سے“

ایک نئی نئی دلہن جس کی مہندی تازہ تھی اور مہا اور کارنگ بھی ہلکا نہ ہوا تھا۔ اپنے

شوہر مزدور کے ساتھ، ہاتھ ٹھیلے پر لدا بوجھ ڈھور رہی تھی۔

## سچا جھوٹ اور جھوٹا سچ ❁❁

جب وہ نظر سے اوجھل ہونے لگا تو اس کے ہم سفر کی جدائی کے سائے اپنی بانہوں میں جکڑنے لگے لیکن وہ ان خوفناک اندھیروں میں آشاؤں کے چراغ روشن کرتی رہی۔

آج جب وہ کالج جانے لگی تو اس کی نظر قفس میں پھڑپھڑاتے طوطے پر پڑی۔ طوطا نہایت سنجیدہ تھا لیکن اس نے طوطے کی ذات و فطرت پر بھروسہ نہیں کیا کسی قیدی پر نظر سا سلوک کرتی ہوئی وہ اپنے کمرے سے تیزی سے نکل گئی۔

کالج سے واپسی پر اس کی نظر پنجرے پر پڑی۔

طوطا غائب تھا۔

وہ ٹھٹھک گئی۔ طوطا پنجرے سے نکل کر منڈیر پر جا بیٹھا تھا اسے دیکھ کر واپس

پنجرے میں آ گیا تھا۔

طوطے کے نہ تو پر کٹے تھے اور نہ ہی اس کی پرواز سلب ہوئی تھی لڑکی کا جہاں آباد تھا۔

## مٹی میں سونا ❁❁

سُنیل ایک ذہین طالب علم تھا۔ اعلیٰ تعلیم کی سند لے کر وہ جب نوکری کی تلاش میں نکلنے لگا تو اس نے اپنے بزرگوں سے مشورہ کیا۔ اس کے سامنے آرمی کی نوکری تھی، بینک، بیمہ کمپنی اور ریڈیو، ٹی۔وی کی نوکریاں تھیں۔ ان محکمہ جات میں اعلیٰ افسر کی نوکری گویا دست بستہ کھڑی تھی۔

اور بھی ملازمتیں تھیں۔

کسی نے کہا۔ ”بزنس کرو۔“

”کالج میں پروفیسری.....“

”نہیں نہیں ریلوے جوائن کرو۔“

خاندان کا ایک فرد جو کافی دیر سے خاموش بیٹھا ہوا تھا گویا ہوا ”بیٹے تمہارے

باپ پر بہت قرض ہے، پولس میں نوکری کرو۔“

اس جہاندیدہ شخص نے ایک جملے میں نکسال کھول دی۔

## کاغذ کا پیٹ ❁❁

کریم الدین نہ جانے کس مٹی کا بنا ہوا تھا جسے نہ تو اپنے اعلیٰ افسر کی بے وجہ دھمکی ہی ڈرا سکی اور نہ ہی اسے کسی ودھا یک ، سانسد کے فضول ٹیلی فون اور ان کے رعیلے جسم اور کرخت آواز کی ہی فکر تھی وہ اپنی مرضی کا مختار تو نہیں تھا پولس کا ایک معمولی کانسٹبل تھا، ایس۔ پی ٹی۔ آئی کا ماتحت اس کی طاقت اور ہمت کیا ہو سکتی تھی۔

بہر حال اپنے ساتھی پولس والوں کے شانوں پر ایک اشار پھر ڈبل اشار اور پھر تھری اشارس پانے پر وہ انہیں مبارکباد تو دیتا لیکن اپنے لئے وہ کوئی ایسی تمنا نہیں رکھتا تھا۔

مذہبی اور با اصول اتنا کہ صدیوں پرانی مقدس کتاب کا کردار سچ بولنے کا ضبط تھا۔  
اصولی زندگی گزارنے کا جنون، اس کا یہ آدرش، دوستوں کی محفلوں، ہونٹوں اور کینٹین کی  
بیچوں پر لطیفوں اور پھوٹا ہڑ مذاق بن کر تفریح کا سامان ہوتا۔

وہ اپنے مزاج کی وجہ سے کسی ایک تھانے پر مستقل نہیں رہ سکا تھا، اور رہ بھی  
نہیں سکتا تھا۔ کچھ اس کے وجود سے خطرہ محسوس کرتے۔ تو کسی کی راہ کا وہ خار تھا۔

کبھی کبھی تو اُس کے ہمدرد قسم کے کچھ دوست اُس کی خشک زندگی سے تنگ  
آ کر سرگوشی کے انداز میں مشورتا کہتے یا اس پولس کے محکمے میں رہتے تو پھر کچھ بن کر رہو  
ورنہ کسی مسجد کے امام بن جاؤ۔

اُس کے دوسرے ساتھیوں سے افسران بھی خوش تھے اور محکمے کی آمدنی بھی خوب  
تھی اور یہ ایک کریم الدین کا انسٹبل تھا جو نہ وردی کا استعمال کرنا جانتا تھا اور نہ ڈنڈے کو کبھی  
اپنا فرض ادا کرنے دیا۔ اچھا خاصا محکمے پر بوجھ تھا۔

جب اوپر سے آدیش آئے کہ تھانے کی اعلیٰ کارکردگی اور بہتر خدمات کا  
اسٹیٹمنٹ پہنچاؤ تو، کریم الدین نے بھی ایک خالی، ہاتھ ٹھیلے والے اور بڑی درگاہ کے  
قریب کھڑے ہوئے عُنبارے بیچنے والے کے چالان بھر کر اپنی وفاداری، ایمانداری  
اور اعلیٰ کارکردگی کا ثبوت دے ہی دیا۔

لیکن پھر بھی؟

کریم الدین کے شانے پر جگنو کی چمک نہ آسکی۔



## گھر کا شہر ••

**خوب** ہیں وہ لوگ جو اپنا شہر، اپنا وطن چھوڑ کر کہیں اور جاتے ہیں۔ اور ایک  
 میں ہوں۔ میرا وہ گھر جو شاید ہیئت میں باقاعدہ مکان نہ ہو۔ تنگ و تاریک گلی کا وہ کچی  
 دیواروں اور جامن کے درخت والا مکان۔

تاج محل میں سے تو بھگا دینے کا احساس ہے لیکن مجھے اپنے گھر سے کوئی نہیں  
 نکال سکتا۔ اُس کے درود دیوار، باڈی گارڈ، کی طرح میرے محافظ ہیں۔ یہاں میری اپنی

حکومت ہے۔ اُس کی چہار دیواری، باپ کی سی شفقت اور ماں کی ممتا کی طرح ہے۔

اُس چھوٹے سے گھر میں ہمارے کھیلنے کو دینے کی دُنیا تھی۔

آخر مجھے اپنے گھر سے محبت کیوں نہ ہو؟

اُس کی آغوش میں، میں بچے سے جوان ہوا۔ میں ہی کیا میرے دوسرے بھائی

بہنوں سے ایک شہر کی سی رونق تھی۔

اور پھر میں ملازمت کے باعث شہر بدر ہوتا چلا گیا۔

موسموں کی سرکشی کسی کمزور جسم کو مریض کرتی چلی گئی میں اپنی تنخواہ سے بمشکل کچھ

پس انداز کر کے اپنے مریض سے گھر کا علاج کرتا رہا۔ بروقت علاج اور احتیاط سے مرض،

شیطان کی طرح بھاگتا ہے۔

اب وہ گھر کسی تناور درخت کی طرح قائم تھا اُس کی شاخیں لچکتی رہیں، پرندے

رین بسیرا کرتے رہے۔

اور پھر میں ایک دن ریٹائر ہو کر واپس اپنے گھر اپنے وطن واپس آ گیا۔ گھر کے

ہر فرد کی ضرورتیں 'بڑ' کی جٹاؤں کی طرح جہاں ٹھکسیں وہاں ایک دیوار کی طرح اپنا وجود

قائم کرتی چلی گئیں۔ لیکن اب میں اُس کی گھنی چھاؤں میں کھڑا مسافر تھا۔

قدروں کی بے پناہ تبدیلی نے شہر تو کیا اب دلوں کو بھی اتنا تنگ کر دیا تھا کہ

احساس کا گزر بھی مشکل سے تھا۔



## رات! رات!! ••

رات! رات!!

ساری مخلوق خوابیدہ تھی۔

اور اس رات موت آہستہ آہستہ قدموں سے آکاش کی سیاہی کو ننگتے ہوئے اُجالے کو اپنی

آغوش میں بھر چکی تھی۔

اس سے پہلے کہ سورج کی کرنیں صبح کا اعلان کرتیں۔ بچے بوڑھے، جوان، مرد،



عورت، جانور، پرند، درخت، پودے، پھل پھول ساری چیزوں پر موت نے اپنا پنچہ مضبوط کر لیا تھا۔

لوگ کھانتے ہوئے، اپنی آنکھوں کو مسلتے ہوئے گرتے پڑتے بے سمت ادھر ادھر بھٹک رہے تھے۔ سردی کے کبڑے نے ایک ڈھواں ڈھواں سماحول پیدا کر دیا تھا۔ لوگ اس دھوئیں میں ایسے بھٹک رہے تھے کہ گویا کبڑے نے سمتوں کے نشان نکل لئے ہیں۔

لوگ اُس طرف ہی دوڑ رہے تھے گہرا جس طرف موت کے سائے کی طرح بڑھ رہا تھا۔ لیکن انسانیت نے اپنی شرافت کا لباس نہیں اتارا تھا۔ اُس کے ساتھ سیکڑوں ہزاروں سال کی صحت مند اقدار و روایات تھیں۔ اس احساس، دوستی اور جذبے نے شہر کی پیشانی پر اچوت اور بھائی چارے کا کتبہ نصب کر دیا تھا۔ ملک اور ممالک میں اس جذبے کی قدر کی جا رہی تھی۔

اور پھر ایک رات۔ اسی شہر میں۔ فساد پھوٹ پڑا تھا وہی دو بھائی جو ملک میں اتحاد کی مثال تھے۔ آج ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ پھر اسی رات کے سناٹے میں مذہبی نعرے بلند ہو رہے تھے۔ لوگ اپنے جونی جذبے کے بہاؤ میں سرکوں پر نکل آئے تھے۔ پولس کی گولیوں نے کرفیو کی تعریف پوری کر دی تھی۔ زمین وہی تھی۔ آسمان وہی تھا۔ لیکن رات کے ماتھے پر نہ کہکشاں جگمگا رہی تھی اور نہ ہی ستاروں کی افشاں بکھری تھی۔

## آدمی کا زہر ❁❁

ایک زبردست بھیڑ کے سامنے اُس نے چھپکی نکل کر لوگوں کو اچنبھے میں ڈال دیا تھا۔ لیکن اُس شخص کا جواب دینے ایک اور شخص کہیں سے آ نکلا اور اُس نے شیشے کے ٹکڑوں کو چبا چبا کر لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ دیکھنے والے کہتے تھے کہ اس نے ایک بار ٹیوب لائٹ بھی ہضم کر لی تھی۔

اور پھر ایک اور شخص نے لمبا کالا سانپ اپنے حلق سے اُگلا۔ لیکن اُس کا زہر آدمی کے جسم میں آج تک رہ گیا۔

## جڑوں کا پانی ❀❀

وہ پٹھانی سٹاٹ میں ملبوس تھا۔ ظاہری طور پر وہ کوئی متمول شخص محسوس ہو رہا تھا۔ انجانی اور بھکتی نگاہیں کسی منزل کی تلاش میں تھیں۔ اُس کا پرانا سامکان جو اُس کے لئے تاج محل سے کم نہیں تھا۔ اب اُس کی جگہ کسی تنوانی کی پلڈنگ فلک سے آنکھ مل رہی تھی۔ اس کو اپنے بچپن اور جوانی کے خوش گوار لمحوں کی جاگیر کہیں دُور تک نظر نہیں آرہی تھی۔ انجانے چہرے اُسے بھانپ رہے تھے۔ بعض متعصب قسم کے لوگ اُس کے لباس سے اُس کے مذہب کا اندازہ لگا کر اُسے انتہا پسند، جاسوس اور مخبر جیسے لقب دے رہے تھے کہ اُس اجنبی نے ایک پُرانے درخت کے سڑکھے کٹے تنے پر ہاتھ سے اُس کا لمس کیا ہی تھا کہ اُس کی آنکھوں سے سیلاب بہہ نکلا۔

محلے کے بچے ان جذبات کو تفریح سمجھ رہے تھے۔

”کون ہو بھائی تم، کہاں سے آئے ہو کس کی تلاش ہے؟“

محلے کے ایک بزرگ شخص نے قریب آ کر پوچھا۔؟

”میں کبھی اسی محلے میں رہتا تھا۔ اور اُس درخت کی اونچائی سے نیچے کودا کرتا

تھا، کھیلتا تھا۔ میں چالیس سال بعد پاکستان سے آیا ہوں۔“

پوچھنے والے بزرگ اور کچھ سنجیدہ لوگ قدرے نمناک ہو گئے۔

## مہاتما جی ••

اُن مہاتما کے تقدس کا دؤردوؤر شہرہ تھا۔ لوگ اُن کے قدم بوسی کی خواہش لئے بھیڑ میں گھنٹوں، کھڑے رہتے۔ اُن کی زیارت، اُن کے درشن، زائرین کو ”دھنیہ“ کر دیتے تھے۔

ایک دُنیا اُن کی دیوانی تھی۔

اور پھر ایک دن اخبار کی سُرخی سے سبھی لوگ حیرت میں ڈوب گئے۔ سب کی زبان پر تھا کہ ”کیا مہاتما جی بھی قتل کی سازش میں شامل ہو سکتے ہیں۔؟“  
مقتول کے ورثاء نے مہاتما کو رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔  
پولس حرکت میں آگئی تھی۔

”قانون دَہرم سے اونچا ہے۔“ اخباروں کی سُرخیاں تھیں۔ ایک تنظیم جو قانون سے بہت بڑی تھی۔ دَہرم اُس کی مُنٹھی میں تھا۔  
مہاتما جی باعزت بُری ہو گئے تھے۔

قانون بغلیں جھانک رہا تھا۔ مُلک کی فضا کو دیکھتے ہوئے مصلحتاً قانون نے  
ٹکست کھالی تھی۔

## جنازے کا سرکاری ریٹ ❀❀

آچانک بھڑ واپس ہو رہی تھی۔

کار، ٹرک، موٹر سائیکل سوار، پیدل، راہ گیر سب ہی تو واپس ہو رہے تھے۔

کئی لوگ چوراہے پر ”جنازہ“ رکھے ”چٹکا جام“ کئے ہوئے تھے۔

ایک حادثے میں ”وہ مارا“ گیا تھا۔

حکومت نے مرنے والے کے ورثاء کو ڈیڑھ لاکھ روپے اور اُس کے گھر کے ایک فرد کو نو کری کا اعلان کیا تو جنازے، کولوگوں نے کاندھوں پر اٹھالیا۔  
وہ اب اُس کی آخری منزل کی طرف لے جا رہے تھے۔  
اور پھر.....“

اسی مُلک میں اسی شہر میں۔ دو کاروں کے تصادم میں ایک راہ گیر کی جان چلی گئی تھی۔ کچھ ہی گھنٹے بعد اُس علاقے میں دکانیں بند کرائی جانے لگیں۔ بھیڑ جمع ہونے لگی۔

ایک نوجوان جنازے کے پاس کھڑا، نعرے لگا رہا تھا۔ حکومت نے اُس مرنے والے شخص کے گھر والوں کو ایک لاکھ کی مدد پہنچائی۔  
جنازہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

آج پھر اسی طرح کا حادثہ ہوا۔ اسکوٹر پر سوار پوری فیملی، بس کی زد میں آ گئی تھی۔ بیوی بچے اسپاٹ پر ہی دم توڑ چکے تھے۔

حکومت کا نمائندہ گھر کے مکھیا کے ہاتھوں میں پانچ ہزار روپے کا چیک دے رہا تھا۔

اُس بار بھی، اس بار بھی مرنے والا انسان ہی تو تھا۔



## پناہ گاہ

وہ لوگ کسی اچھے مکان، اچھے لوگ اور اچھے ماحول کی تلاش میں آئے تھے۔  
 فیملی چھوٹی تو نہیں تھی۔ چھ نفوس پر مشتمل خاندان تھا۔  
 چار لڑکیاں اس طرح جوان تھیں کہ قابل شادی تھیں۔ انہیں ایک اچھا مکان یا  
 فلیٹ درکار تھا۔ وہ مکان کی طرف سے مطمئن ہو جاتے تو لڑکیوں کے رشتے تلاش کرتے۔  
 لہذا رہن سہن بھی تو رشتوں کا ایک جزو ہے۔  
 انہیں ایک مکان پسند آیا۔

مکان میں کئی کشادہ کمرے، لائٹ، پانی، دھوپ، روشنی، گیرتج اور کسی تقریب  
 کے لئے ضرورت ہو تو مکان سے ملحق میدان پڑا تھا۔  
 بازار، ہسپتال، ریلوے اسٹیشن، بس اسٹینڈ، پوسٹ آفس اور اسٹیڈیم سب ہی  
 قریب تھے۔

مکان انہیں اتنا پسند آیا کہ دوسرے مکان کی تلاش بے معنی سی لگی۔  
 وہ لوگ خاصے مطمئن نظر آ رہے تھے۔  
 جب انہوں نے مکان کے گرد و نواح کا جائزہ لیا تو دل دھک سے ہو گیا۔  
 وہ اسی بستی میں آگئے تھے جس بستی کو وہ چھوڑ چکے تھے۔ اس بستی کا نام تو دوسرا  
 تھا۔ لیکن بچے بچے، جوان، بوڑھے وہی لوگ تھے۔  
 وہ لوگ، اب پھر کسی پناہ گاہ کی تلاش میں نکل گئے۔

## ذہنی بلندی ❁❁

**بھوپال** میں اقبال سیمینار منعقد کیا جا رہا تھا تقریب میں گنگا جمنی تہذیب کے درشن ہو رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ اقبال نے گائیٹری منتر کا بھی ترجمہ کیا تھا۔ رام اور گروتا تک کو دل سے خراج عقیدت پیش کیا تھا۔

اقبال میں حب الوطنی کا جذبہ کسی طرح بھی کم نہ تھا۔ وہ اپنے معاصرین جے شکر پرساد، منشی پریم چند، ڈرگا سہائے سرور، چکبست اور تلوک چند محروم سے سوائی وطن سے محبت اور اخوت کا ثبوت دے رہے تھے۔

لیکن اخبار کا نمائندہ پوچھ رہا تھا۔

”اقبال پاکستان کیوں چلے گئے تھے؟“



## معاوضہ (۱) ❁❁

**اس** رات رشید کتنا بدحواس اور کتنا پریشان تھا۔ رشید ہی کیا پورا شہر بھگدڑ کا شکار تھا۔ اُن لوگوں کی نہ تو کوئی منزل تھی نہ کوئی راہ، ٹھکانا، اُنھیں کدھر جانا ہے، کہاں جانا ہے۔ جس کا قدم جہاں اُٹھ رہا تھا بس وہی اُس کی منزل، پڑاؤ تھا۔

رشید، سانس کا مریض نہیں تھا وہ اُس رات کس طرح اپنے بیوی بچوں کو لے کر اپنے گھر سے نکلا تھا، کھانتا تھا رکتا تھا اور پھر چل پڑتا تھا۔ وہ اپنے بچوں کو اپنے کندھوں اور بغلوں میں اس طرح دبایا ہوا تھا کہ کوئی مزدور یا حامل بوریاں لا کر، اُٹھا کر کسی جگہ لا کر رکھتا ہے۔ اُسے جب کھانسی کا ٹھنکا لگتا تو اُس کے ہاتھوں کی گرفت سے بچے نیچے سرکنے لگتے تھے۔ وہ پھر طاقت سمیٹ کر اُن بچوں پر اپنی گرفت مضبوط کر لیتا۔ اُس کی بیوی کی حالت تو رشید سے بھی گئی گزری معلوم ہوتی تھی۔ لیکن وہ کسی زندہ لاش کی طرح اُس کے ساتھ ایک بچے کو دبائے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔

رشید ایک جگہ جسے وہ اطمینان کی جگہ سمجھ رہا تھا اپنے بچوں کو کندھے پر سے اور بغلوں میں دبے ہوئے بچوں کو اتار کر دم لینے کے لئے رُک گیا تھا۔ سُستانے کے لئے تو کسی آرام دہ جگہ، ماحول کی ضرورت ہوتی ہے لیکن یہاں تو اُسے اپنی صلیب خود ہی اُٹھانی تھی۔

”اٹھو اٹھو کمپ میں چلو کسی نے رشید کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

”اپنے ہی شہر میں رہ کر کمپ میں ٹھہرنا ہوگا۔“ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر

ادھر دیکھنے لگا۔ اُس کی بیوی نے کہا۔

”اٹھو اٹھو جلدی چلو، میرا دم گھٹ رہا ہے۔!“

رشید کونسا زندہ تھا۔ وہ بھی تو موت کے دہانے پر تھا۔ سارا شہر زندگی اور موت کی

کشمکش میں تھا پورا کمپ ایک ہی تکلیف میں مبتلا تھا۔ کھانتے رہنا، گلے میں خراش، آنکھ

سے آنسو جاری رہنا۔

جس شخص کے پاس کوئی سہارا، سمت، منزل نہیں تھی وہ کمپ میں پڑے رہے۔ کئی

لوگ اپنے بھولے دسرے رشتوں کو یاد کرتے ہوئے ادھر ادھر نکل گئے۔

یہ جوز ہریلی فضا تھی کسی غیر ملکی کمپنی کی شرارت تھی یہ سانحہ ایک تجربہ تھا

جو کامیاب رہا تھا۔ متعلقہ کمپنی نے جب بھرپور معاوضے کا اعلان کیا تو مرنے والوں نے بھی

جینے کی دُعا شروع کر دی۔

رشید نے قرض لے کر اپنی بڑی بیٹی کی شادی کی تھی۔ ابھی ایک لڑکی اور تھی

بیاہنے کو۔ دو لڑکیاں اور بھی تھیں جو چھوٹی تھیں۔

معاوضہ ملا۔ گیہوں، چاول، شکر اور کبھی کبھی گھاسلیٹ۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر

معاوضے کا اعلان ہوا۔

متاثرین کے چہروں پر رونق جیسی کوئی کیفیت ابھرنے لگی تھی۔

اب رقم کی صورت میں معاوضہ مل رہا تھا۔

## معاوضہ (۲) ❁❁

**رشید** نے معاوضے کی رقم میں سے اپنی بیوی کے رہن رکھے زیور واپس چھڑوائے تو اس کی بیوی کو کتنی خوشی ہوئی تھی۔ اُسے زیور دیکھ کر اپنا دلہن بننا یاد آ گیا تھا۔ معاوضے کی رقم نے آنسو بھی پوچھ دئے تھے اور زخم بھی مندمل کر دیئے تھے۔

”متاثرین کو دو بارہ معاوضہ ملے گا۔“

اخبار کی سُرخی نے ہلالِ عید کا کام کیا۔

بیس بائیس سال کے عرصے میں قدروں میں زبردست تبدیلی آگئی تھی۔ دوبارہ معاوضہ ملنا شروع ہو چکا تھا۔

رشید نے اپنے بیٹے اسلم کے سامنے ہاتھ دراز کرتے ہوئے کہا۔  
 ”لاؤ وہ رقم مجھے دو، سلمیٰ کی شادی کرنا ہے۔ کرایہ کے مکان میں دم گھٹتا ہے۔ اپنا کوئی جھونپڑا بھی ڈالیں گے۔“

”میں تو تم لوگوں کے معاوضے میں سے کچھ نہیں مانگ رہا۔ پھر تم میرے معاوضے پر گدھ کی نظر کیوں ڈالے ہوئے ہو۔ مجھے ”بانک“ کی قسطیں دینا ہیں۔“ اسلم نے نکاسا جواب دیا۔

اُس نے ایک جھٹکے سے ”بانک“ اشارت کی۔ بانک کا ڈھواں، رشید کے منہ پر اسی زہریلے بھکے کی طرح نتھنوں سے ہوتا ہوا پھیپھڑوں میں چلا گیا۔  
 رشید کو مرض سے کچھ افاقہ ہوا ہی تھا کہ اُسے پھر کھانسی کا دورہ اُٹھا۔ کھانتے کھانتے چہرہ سُرخ ہو گیا۔ سر چکرانے لگا مرض نے اب اُس کے جسم میں گہری پیٹھ بنالی تھی۔

رشید نے اپنے معاوضے کی رقم اپنی بیٹی کے ہاتھ میں رکھی اور کہا۔  
 ”بیٹی یہ تمہاری شادی کا.....“ ابھی اُس کا جملہ ادھورا ہی تھا کہ اُس پر دائمی غشی طاری ہو گئی۔



## احمق ❀❀

آج ایک بڑی رقم کا چیک، کیش ہوا تھا۔

لوگوں کے ہاتھوں میں نوٹوں کی گڈیاں اور پھر گڈیوں میں سے تھرکتے نوٹوں کو وہ لوگ فرط مسرت سے دو دو بار گن رہے تھے۔ حالانکہ نوٹوں کی تعداد تو وہی تھی جو حصے میں آئی تھی۔ لیکن وہ لوگ اس انداز سے نوٹوں کی گڈیوں کو تاش کی گڈی کی طرح پھینٹ رہے تھے گویا ان نوٹوں میں سے ابھی اور نوٹ نکلیں گے اور دو گنے تنگے ہوتے جائیں گے۔

اس دوران دلچسپ جملے اور فقرے گونج رہے تھے۔ آسمان کو مٹھی میں بھینچ لینے کی کسی کسی کو اُمنگ تھی۔

سامنے ہی بیٹھا اُن کا ایک بھائی ماحول سے بے نیاز، بے فکر اخبار دیکھ رہا تھا۔

دُنیا کا خبر نامہ اُس کے ہاتھ میں تھا۔

وہ اتنی بڑی رقم میں حصہ دار نہیں تھا۔؟

لیکن، راشن کارڈ میں تو اُس کا نام تھا۔؟

اُس کے ضمیر نے یہ رقم لینا قبول نہیں کیا۔ وہ حادثے کے دن یہاں نہیں تھا۔

## کھانی کی کھانی ❀❀

گیس معاوضے کی فائل پر جج نے نظر گاڑ دی۔ صفحے اُلٹتے ہوئے منہ ہی منہ

میں ادھر ادھر سے کچھ پڑھنے کے بعد نظر اٹھائی اور گویا ہوا۔

”شکور محمد خاں.....“

”جی ہاں، حاضر ہوں۔“ ایک اسی سالہ بوڑھا اپنی ٹوپی سنبھالتے ہوئے

بھیڑ میں سے آگے بڑھا۔

جج نے اُسے سراپا دیکھا۔ فائل میں چسپاں فوٹو سے میلان کیا۔

”ہوں ٹھیک ہے۔“

”ساجدہ بی“

بچوں نے ایک عمر رسیدہ عورت کو جج کے سامنے پیش کیا۔ اور پھر وہ جج کے اگلے حکم کا انتظار کرنے لگے۔

”کیا نام ہے؟“ جج نے پوچھا۔

اُس عمر رسیدہ عورت کے کان کے پاس بلند آواز سے اُس کے ایک بیٹے نے کہا۔ ماں اپنا نام بتادو۔

جج منتظر رہا۔

”ساجدہ بی“..... نحیف آواز نکلی۔

جج نے فوٹو دیکھا اور فائل پر اطمینان کا کوئی نشان لگا دیا۔

یکے بعد دیگرے اُس فیملی کے سبھی بھائی بہنوں اور والدین کی طرف سے جج کو جب اطمینان ہو گیا تو فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

”کسی ایک کے نام، چیک بنوالو۔“ قریب بیٹھا کلرک لوگوں کے چہرے پڑھنے لگا۔

”سب کے نام کے چیک الگ الگ بنا دیجئے۔“ جج کو قدرے ناگوار گزرا۔ جج

نے فائل پر پڑی فیملی کا فیصلہ لکھا اور فائل پر ہنمد ناکس دیا۔

## بہیر انعام

**حسب** معمول آج جب میں نے اخبار دیکھا تو سرورق پر ایک بڑی کمپنی کا اشتہار چھپا تھا۔ جس کی طرف سے ایک لاکھ روپے کا انعام تھا۔ اُمیدوار اگر زیادہ ہوئے تو انعام کی رقم انعام یافتگان میں برابر برابر تقسیم کر دی جائے گی۔ اس عبارت کے ساتھ اشتہار میں ایک تصویر بھی چھپی تھی۔

کچھ دن گزرنے کے بعد میرا پڑوسی آیا اور اُس نے مجھ سے پوچھا

”بھائی صاحب کیا اخبار آگیا۔؟“

”ابھی تک تو نہیں آیا۔“ وہ میرے پوچھے بغیر کہنے لگا۔

”آج انعام کا اعلان آنے والا ہے۔“

کچھ دیر بعد ہا کراخبار ڈال گیا۔ میں اخبار دیکھ رہا تھا۔ سرورق پر نہایت مہنو ٹائپ میں لوگوں کے نام، پتے اور انعام کی رقم دس روپے پانچ روپے چھپی تھی۔

ایسا کیا تھا جس پر اتنے لوگوں کا ”حل“ صحیح پایا گیا ہے۔ میں سوچ رہا تھا۔

کچھ دنوں پہلے اس اخبار میں ایک کھلاڑی لڑکی کا چہرہ مٹھا ”دھڑ“ مٹھا تھا۔

لوگوں نے اُس کے جسم کو بار بار دیکھا تھا۔ وہ بغیر چہرے کے اُس کھلاڑی کو پہچان گئے تھے۔



## یکمشت

اسلم ابھی دس سال کا تھا کہ اُس کے سر سے باپ کا سایہ اُٹھ گیا تھا۔  
 ماں اور اُس کی ایک چھوٹی بہن اُس کا کل کنبہ تھا باپ کی جائیداد پر خود اُن کے رشتہ  
 دار قابض تھے۔

اسلم کے باپ اکثر کہا کرتے تھے بزرگوں نے بڑا رہ صحیح نہیں کیا۔ آخر کار اُنھوں  
 نے بہت مختصر جگہ میں اپنی زندگی گزار کر اور بھی مختصر جگہ قبرستان میں اپنا مدفن بنا لیا تھا۔ اسلم  
 اپنے شہر میں جو کہ بڑے شہروں کی تعریف میں نہیں آتا تھا۔ روزگار کے وسائل بھی وہاں  
 تقریباً نہیں تھے۔

باپ نے کبھی قرض نہیں لیا تھا۔ لیکن وہ ایک بڑا قرض اسلم کے سر چھوڑ گئے تھے  
 جس کی ادائیگی جلد ہونا تھی۔ اُن کے پسماندگان میں ایک لڑکی سلمیٰ، لڑکا اسلم اور ایک بیوہ

ماں اور جو اسلم پر قرض تھا، وہ تھا۔ سلمیٰ کی شادی۔

اسلم زیادہ تعلیم یافتہ نہیں تھا۔ معمولی اردو ہندی لکھ پڑھ لیتا تھا۔ اخبار

پڑھ لیتا تھا۔

اخبار میں جب وہ کسی لڑکی کی شادی اور جہیز کے لین دین پر جھگڑا، اور جھگڑے

میں کسی کا قتل ہو جانے کی خبر پڑھتا تو سہم جاتا۔ وہ بھی سوچتا کہ باپ اُس کے سر پر اُس کی

بہن کی ذمہ داری چھوڑ گئے ہیں۔ وہ کس طرح اس فرض سے سبکدوش ہو سکے گا۔

دوست کبھی اُسے اُس کی شادی کا احساس کراتے تو وہ ایک سرد آہ بھر کر رہ جاتا۔

ماں اور بہن کی ذمہ داری نے اُسے اپنی خواہش کے اظہار کی مہلت ہی نہیں دے رہے

تھے۔ وہ کبھی کبھی اپنے دوستوں سے مذاق میں کہتا کہ تم لوگ مجھ سے شادی کی بات کرتے

ہو۔ شاید میں کنوارہ ہی رہ جاؤں گا۔

اور ایک دن اسلم کسی کو بتائے بغیر اُس ریل میں سوار ہو گیا جو ممبئی جاتی تھی۔ وہ

ممبئی آ گیا۔ ممبئی تو ماں کے آغوش کی طرح ہے غریب، امیر سب اُس کی آغوش میں پرورش

پاتے ہیں۔

اسلم کے پاس دو چار جوڑی کپڑے، چار پانچ سو روپے کی رقم اور جی توڑ محنت یہ

اُس کی کل پونجی تھی۔ اُسے کام کی تلاش میں زیادہ بھٹکانا نہیں پڑا۔

رائل بیکری میں اُسے ملازمت مل گئی۔ تنخواہ، اور ٹائم، اتوار کی چھٹی

اور بیکری کی ایک کوٹھری میں ٹھہرنے کی جگہ۔ اسلم کو لگا جیسے اُس کو اس کی جائیداد مل گئی۔

وہ خوش ہو گیا۔

اسلم ہر ماہ اپنے گھر اپنی ماں کو اپنی تنخواہ میں سے پابندی سے خرچ کے لئے رقم

منی آرڈر کرتا۔ کبھی وہ کسی شناسا کے ہاتھ سے ماہانہ رقم پہنچاتا۔ وہ ایک سال میں دو تین بار خود بھی ماں کے پاس آتا تھا۔ کبھی اسلم کو اپنی ماں کو پیسہ پہنچانے کی اتنی جلدی ہوتی کہ وہ کوریئرس سے بھی رقم پہنچا دیا کرتا تھا۔

ایک رات جب کہ وہ گرمی کے موسم میں اپنی کوٹھری سے نکل کر بیکری کے بند ہو جانے کے بعد اُس کے باہری حصے میں جو کہ فٹ پاتھ کے قریب ہی تھا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ لیٹے ہوئے باتیں کر رہا تھا۔ دن بھر کے تھکے ماندے جسم کو نیند کی خوشامد نہیں کرنا ہوتی ہے۔ اسلم کچھ دیر بعد ہی اپنے خزانوں کے ساتھ گہری نیند سے ہمکنار ہو چکا تھا۔ اسلم اور اس کے ساتھی نیند کی پہلی منزل ہی میں تھے کہ اُس طرف سے گزرتی ہوئی کاروں میں سے ایک تیز رفتار کار فٹ پاتھ کو عبور کر گئی۔

ادھر ادھر فٹ پاتھوں اور بندکانوں کے پٹلوں پر جو لوگ سو رہے تھے وہ ہڑبڑا کر جاگ گئے۔ ایک نوجوان اُس کار میں سے باہر نکلا۔ اس سے پہلے کہ وہاں کھڑے لوگ اُس پر ٹوٹ پڑتے وہ اُسے دیکھ کر ٹھٹھک گئے وہ ایک مشہور ترین فلم کا ہیرو تھا۔ احسان خاں۔

لوگ آپس میں میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ احسان خاں، احسان خاں..... احسان خاں کے چہرے پر خوف اور گھبراہٹ کے ملے جلے تاثرات تھے۔ اسلم کو کار کے پینے کے پاس سے کھینچ کر باہر نکالنے کی کوشش کی جا رہی تھی بھیڑ میں سے ایک شخص نے بڑھ کر احسان خاں کے گریبان کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ لوگوں نے احسان خاں کو بچا لیا۔

احسان خاں نے موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اُس شخص کو ایک طرف

لے جا کر کچھ بات کی۔ لیکن وہ شخص احسان خاں سے اتفاق نہیں کر رہا تھا۔ احسان خاں اور اُس شخص میں کیا بات ہوئی کوئی سمجھ نہیں سکا۔

احسان خاں اپنی کار میں سوار ہوا اور ہوا ہو گیا۔ بھیڑ جو اندھیرے میں تھی۔ اندھیرے میں ہی رہی۔

اسلم کے گھر پر دستک ہوتی ہے۔

”ماں.....!“

”کون اسلم آیا ہے۔؟“ اسلم کی ماں فریڈ مسرت کے ساتھ کمرے میں سے دروازے پر آئی۔

”ارے تو جمنہ پر شاد، میں سمجھی اسلم آیا ہے۔ اسلم کیوں نہیں آیا؟“

جمنہ پر شاد، ماں کو ایک بھاری پیکٹ تھماتے ہوئے جانے لگا تو ماں نے پھر پوچھا۔

”کیا پہنچایا ہے اسلم نے؟“

ماں نے جلدی جلدی پیکٹ کھولا۔ کپڑے تھے ماں کے لئے بہن کے لئے۔ اور ایک موٹی رقم۔

”اتنے، اتنے سارے روپے۔“

”ہاں ماں! پوری زندگی کی تنخواہ پہنچائی ہے اسلم نے۔“

”پوری زندگی کی تنخواہ.....“

ماں کچھ اور پوچھتی، جمنہ پر شاد وہاں سے رخصت ہو گیا۔





امجد، سنجیدہ، مُردبار، خوددار اور تعلیم یافتہ تھا۔ باپ نے سبھی بھائیوں کی تعلیم و تربیت پر یکساں توجہ دی تھی۔ حضرت یوسف کا زمانہ آج بھی اُس گھر میں کسی کلینڈر کی طرح مُنگا ہوا تھا۔

بھائیوں نے خود ہی امجد کو باپ کے لاڈلے بیٹے کا لقب دے دیا تھا۔

باپ نے جب ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھیں موند لیں تو سِدھ کی طرح سبھی بھائی ”ترکے“ پر ٹوٹ پڑے۔ وہ بندوقیں اور تلواریں جو گھر کی دیواروں پر نمائشی آویزاں تھیں اُن میں حرکت پیدا ہو گئی تھی۔ پاس پڑوس کے بزرگوں نے درمیان میں پڑ کر ان ہتھیاروں کو خون چاٹے بغیر واپس اپنی جگہ مُنگوا دیا تھا۔

امجد پر یہ تہمت بھی تھی کہ باپ کی زندگی میں اُس نے باپ کو، بھائیوں کے خلاف ورغلا یا تھا۔ یہ نرا الزام تھا۔ جھوٹ کو پروا نہیں ہوتی اور سچ کو آزمائش سے گزرنا ہوتا ہے۔ امجد کو عدالت کچھری سے حق لینا اتنا آسان نہ تھا۔ اُس کے لئے ایک اور جہنم کی ضرورت تھی۔

امجد نے باپ اور خاندان کی عزت کی خاطر ایک اور قربانی دے دی۔ امجد اکثر اپنے گھر آتا ہے۔ اور باپ کے لگائے ہوئے جامن کے درخت پر آویزاں لیٹر باکس میں سے اپنی ڈاک نکالتا ہے اور پھر دوسری بار اُس بے جان ٹین کے ڈبے سے آنے کا وعدہ کر کے وہ لیٹر باکس میں تالا لگا کر چلا جاتا ہے۔



## پانسہ

**ماہرِ خاں** ایک کامیاب اداکار تھا۔ فلمی ہیروؤں میں اُس کا زبردست مارکٹ تھا۔ فلمساز و ہدایت کار، ماہرِ خاں کو اپنی فلموں میں لینے کے لیے مرے جا رہے تھے۔ خواہ ماہرِ خاں کے مطابق فلم میں رول ہو یا نہ ہو بس، ماہرِ خاں اُن کی فلم میں ہوتا چاہیے۔

ماہرِ خاں کی فلمیں سپر ڈپرہٹ رہی تھیں۔ فلمساز ماہرِ خاں کو اپنی فلموں میں لینے کی ہوڑ میں اچھے بڑے سے بڑے ہیرو کو نظر انداز کر رہے تھے۔

ماہرِ خاں، مُلک میں چل رہی ایک تحریک سے بھی وابستہ ہو گئے تھے وہ تحریک یہ تھی کہ ایک مخصوص فرقے کو بھی ”رزرویشن“ ملنا چاہیے لیکن مُلک کا نوے فی صد طبقہ اس کا مخالف تھا کہ اس مخصوص فرقے کو ”رزرویشن“ نہ دیا جائے۔ ماہرِ خاں کا مذہبی طور پر بھی اُس فرقے سے تعلق تھا۔

ماہرِ خاں نے اُس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔ یہ اعلان ہونا تھا کہ مُلک کے کئی حصوں میں ماہرِ خاں اور ماہرِ خاں کی فلموں کے خلاف جلسے، جلوس، پتلی پھوکنے، ماہرِ خاں مُردہ باد، ماہرِ خاں ہائے ہائے کے نعرے بلند ہونے لگے۔

دریں اثناء ماہرِ خاں کی نئی فلم ”فلاح“ ریلیز ہوئی۔ لیکن احمد پور کے کئی مخالفوں نے اور برسرِ اقتدار حکومت کے حامی و رکروں نے ”فلاح“ کی ریلیز کوادی۔ ”فلاح“ کی ریلیز کرنے کی خبر، اخبار، ٹی.وی میں آنا تھا کہ میڈیا نے گوشے گوشے میں یہ خبر پہنچادی۔

پانسہ پلٹ گیا۔

فلم ”فلاح“ نے زبردست بزنس کیا۔ سابقہ ریکارڈ ٹوٹ گئے۔ سپریم کورٹ نے بھی اپنا فیصلہ سنا دیا کہ عوام چاہیں تو فلم ”فلاح“ احمد پور میں بھی ریلیز ہو سکتی ہے۔ عوام نے جب یہ خبر سنی تو ماہر خاں کی مدافعت میں جلسے جلوس ہونے لگے کہ احمد پور میں بھی ماہر خاں کی فلم ریلیز کی جائے۔ فلم ریلیز ہوئی۔ احمد پور میں بھی ”فلاح“ نے ریکارڈ توڑ بزنس کیا۔

مُلک میں اور فلم انڈسٹری میں ایک تہلکہ مچ گیا کہ آج تک کسی فلم نے ”فلاح“ کے مقابلے کا بزنس نہیں کیا۔ وہ فلم ساز جو ماہر خاں کو اپنی فلم میں لے کر پریشان تھا کہ مُلک کی فضا ماہر خاں کے خلاف ہو گئی ہے وہ اب انہیں تحفے میں نئے ماڈل کی کار کی چابیاں سونپ رہا تھا۔

فلم ”فلاح“ کا جشن منایا جا رہا تھا۔

میڈیا والوں نے ماہر خاں سے فلم ”فلاح“ کی کامیابی کا راز پوچھا تو ماہر خاں نے کہا: ”عوام نے مجھے پسند کیا، اس لیے ”فلاح“ کامیاب ہوئی۔

ایک صحافی نے سوال کیا۔

آپ ریزرویشن تحریک میں شامل ہو گئے تھے اس سے لوگوں میں یہ جذبہ جاگا کہ آپ ہمارے ”ابھینجا“ ہی نہیں ”نیتا“ بھی ہیں۔

ماہر خاں نے کہا۔

”میرا ریزرویشن تحریک سے کوئی واسطہ نہیں۔“

ماہر خاں کا پبلٹیٹی منیجر جشن میں ”فلاح“ کی کامیابی کا کریڈٹ لے رہا تھا۔ واقف کار اُسے مبارک باد دے رہے تھے۔



## کہانی کا خواب \*\*

اُن بچوں کو ہر طرح کی کہانیاں سنتا بہت پسند تھا۔ کسی بے خوابی کے شکار مریض کے لئے نیند کی گولی یا انجیکشن جیسے ضروری ہوتا ہے بس اُسی طرح ان بچوں کو بھی سُلانے کے لئے کہانی سننا لازم ہو گیا تھا۔ ورنہ ان کی شب، شب بیداری میں گذر جاتی تھی۔

کہانیاں سنا سنا سنا، کہانیوں کا ذخیرہ ختم سا ہو گیا تھا۔ بچوں کے پاپا کو ایک بھولی بسری کہانی یاد آئی۔

”ایک دادا ابا تھے، زیادہ پڑھے لکھے تو نہیں تھے۔ لیکن جہاں دیدہ تھے۔ گفتگو دانشورانہ تھی۔ جغرافیہ کی اتنی زبردست معلومات تھی کہ آج کے پروفیسر ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر لیتے تو بھی کم تھا۔ ان کے کارنامے فتوحات سے کم نہ تھے۔ وہ قومی یکجہتی کی مثال تھے۔ لسانی تنازعوں سے دور، بہت دور۔ ان کی ایمانداری اور خودداری پر تو ایک مصنف نے ناول لکھ دیا تھا۔

وہ بچوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کی پرورش اور تعلیم اور تربیت پر وہ بہت زور دیتے تھے۔ ان سے تربیت یافتہ لوگ آج سُرخ رو ہیں۔“

بچے نہایت انہماک سے یہ کہانی سن رہے تھے۔

ایک بچہ درمیان میں کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ دوسرے نے کہا۔ ”چپ رہو ابھی کہانی ختم نہیں ہوئی۔“

پاپا نے کہانی ختم کرتے ہوئے کتاب میں اپنا چہرہ چھپالیا تھا۔ ان کی پلکیں بھیگ گئی تھیں۔

اؤنگتے ہوئے بچوں کو نیند آ گئی تھی۔

پاپا بھی کروٹ لے کر نیند کا انتظار کرنے لگے تھے۔

رات کا آخری پہر گزر رہا تھا۔

پاس میں سویا ہوا بچہ کہہ رہا تھا۔ ”دادا ابا آپ کہاں چلے گئے تھے؟“

## گل پیادہ ❀❀

یہی وہ مکان تھا اور وہی مکین تھے۔ جب گذشتہ سال میں اپنے دوست کے یہاں نوزائیدہ کی پیدائش پر تقریب میں آیا تھا۔ مکان پر کتنا چراغاں تھا۔ آسمان میں آتش بازی ہو رہی تھی پورا محلہ بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ تحفے تحائف کے انبار لگے ہوئے تھے۔ اس تقریب کے آگے شادیوں کے جشن بھی ماند پڑ گئے تھے۔

ہاں! یہی ہے وہ مکان اور مکین۔

لیکن آج ماحول میں کتنی افسردگی، سناٹا اور ویرانی سی ہے۔ ماتم سا چھایا ہوا ہے چہرے اُداس ہیں۔

آج اس گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے!!

## تمغوں کی ساکھ ❁❁

مجاہد اللہ خان بھی مجاہدین آزادی میں سے ایک تھے۔ حکومت سے انہیں تمغے اور سپاس نامے ملے تھے۔ مجاہد اللہ خان کے بیٹے تعلیم یافتہ تو تھے لیکن سرکاری ملازمتیں نہیں پاسکے تھے۔

مجاہد اللہ خان کبھی کبھی بیٹوں کا خیال کر کے دل میں ندامت سی محسوس کرتے۔

بیٹوں کے لئے باپ کے تمغے اور سپاس نامے ملازمت کا ذریعہ نہ بن سکے تو انہوں نے اپنی راہیں خود منتخب کر لیں۔

پولس کو ان کے دونوں بیٹوں کی تلاش تھی۔

پولس والوں نے مجاہد اللہ خان کو نہایت بے دردی سے کھینچتے ہوئے پوچھا

”بوڑھے، کہاں چھاپا رکھا ہے اپنے بیٹوں کو؟“ جب تک وہ ہاتھ نہیں آئے، مجاہد اللہ خان کو

حوالات میں رہنا پڑا۔

## جشن

اُس نے بڑھ کر اس نوجوان کے ہاتھ سے لباس چھین لیا تھا۔ اور وہ پھر مصروف ہو گیا۔ جیسے کوئی بانگ نئے پک اپ کے ساتھ رواں دواں ہو۔

”کتنا کما لیتے ہو.....“

”کام چلنے پر منحصر ہے.....“

”کیا کام کرتے ہو.....؟“

”یہ کام نہیں کرتا.....“

اور جب وہ کمرے سے باہر جانے کے لئے تیار ہونے لگا تو اس کی طرف ایک لفافہ بڑھا۔

نوجوان کمرے سے باہر نکلا۔

اور اس عالیشان بنگلے پر نظر ڈالتے ہوئے۔ لفافے میں سے نکالتے ہوئے نوٹ گنتے لگا۔

آج اس رقم سے وہ کھانے کا سامان، بچوں کے لئے کھلونے، چاکلیٹ اور ٹافی۔ اور بیوی کے لئے ایک ساڑھی بھی خرید سکتا تھا۔

## خوابوں کا طلسم ••

گھر کے ایک بزرگ جو ایک گوشے میں بیٹھے گھر کی سرگرمیوں پر عقابانی نظر رکھے ہوئے تھے۔ گھر میں جہاں بھی کسی طرح کی کمی بیشی یا ناہمواری وغیرہ محسوس کرتے تو اس پر گرفت کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ دراصل اس عمر میں یہی کام ذمہ داری اور فرض کی ادائیگی کا رہ جاتا ہے۔

آج جب اس گھر کے ایک نوجوان کے ہاتھ میں فارم ٹما کاغذات دیکھے تو پوچھ بیٹھے۔

”میاں! یہ کیا کاغذات ہیں؟“

”ابامیاں، ایک نئی اسکیم نکلی ہے۔ اس کے کاغذات ہیں۔“

”میاں اسکیمیں تو آدیواسیوں کے لئے نکلتی ہیں۔ پسماندہ اقوام کے لئے

نکلتی ہیں۔ تمہارے لئے کونسی اسکیم نکلی ہے ہم بھی تو دیکھیں۔“ اُن بزرگ نے تلخ تجربوں

کی روشنی میں یہ بات کہی تھی۔ وہ اس کاغذ کے پلندے کو دیکھنے لگے۔

”تو میاں اس فارم وغیرہ کی کوئی قیمت / فیس بھی ادا کی ہوگی؟“ بزرگ نے

کاغذات واپس کرتے ہوئے پوچھا۔

”جی ہاں ابا میاں، یہ سو روپے کا فارم ہے.....“

نوجوان نے ان بزرگ کو بتانا شروع کیا کہ خاص طور پر حکومت نے ہم نوجوانوں

کے لئے یہ اسکیم شروع کی ہے کہ ملازمتوں میں ہمارا بھی ایک خاص تناسب ہوگا۔ ہماری

قوم کے جو بچے اسکول نہیں جاسکے ہیں یا جن بچوں نے اسکول / کالج کی تعلیم ادھوری

چھوڑ دی ہے انہیں خصوصی سہولیات بہم پہنچائی جائیں گی۔ جو بینک ہمیں قرض دینے میں

بہانے بناتے ہیں ان سے جواب طلب کیا جائے گا۔ باز پرس کی جائے گی اور جو سہولیات

سے محروم ہیں انہیں مناسب شرائط پر قرض مہیا کئے جائیں گے۔ اعلیٰ سرکاری نوکریوں میں

ہمارا تناسب کم کیوں ہے اس کا ازالہ و تدارک کیا جائے گا۔ نیز حوالات میں جو قیدی بے

قصور سزائیں بھگت رہے ہیں ان سب کا اس میں مداوا ہے۔ پولس اور ملیٹری.....

”بس بس میاں.....“ بزرگ نے چوہ کر نوجوان کو مزید بولنے سے روک دیا۔

”میاں مداری بھیڑ جمع کر کے، نوٹ بوڑ کر چلتا بنا اور تم اس کے طلسمی غبار میں

چھپ چھپنا رہے ہو۔ ایسے مداری برسوں سے آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے۔“

نوجوان نے طیش میں آکر وہ کاغذات پھاڑ دیئے۔

بزرگ اپنی جگہ سے اٹھے اور انہوں نے کاغذ کے پڑزوں کو کچرے کی

ڈلیا میں ڈال دیئے۔

## ••• نجات

**تیمار دار اس لاغرونا توں مریض کو ڈاکٹر کے پاس لائے۔ ڈاکٹر نے اس**

**کی سانسیں اور ڈوبتی نبضیں تلاش کیں۔**

**اسے فوراً بڑے ہسپتال لے جاؤ۔**

**تیمار دار اب اس مریض کو قبرستان کی طرف لے جا رہے تھے۔**





## پار دی \*\*\*

ایک خوبصورت نوجوان لڑکی نے اپنی اسکوٹی اُس نوجوان اجنبی کے قریب روکتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”سُنئے.....“

”جی.....“

”یہ پولس انسپکٹر کہاں رہتے ہیں؟“ اُس لڑکی کے ہاتھ میں پتہ لکھا کاغذ تھا۔

نوجوان نے اُس کاغذ کے پُرزے پر نظر ڈالی۔

نوجوان نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اُس کی طرف بڑھا دیا۔

”جی.....؟“

## خوشبو کا ذائقہ ❁❁

روبینہ ، یوں تو روز ہی اچھے سے اچھا میک اپ کرتی۔ اور جب کسی تقریب کا موقع ہوتا تو وہ کسی دلہن سا ہی میک اپ کرتی۔ حالانکہ اسے کسی بھی طرح کے میک اپ وغیرہ کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ جوان تھی، پُرکشش جسامت اُس کا زیور تھا۔ تاہم وہ گھنٹوں سنگھار دان کے سامنے آرائش میں مصروف رہتی۔

احمر، جب کبھی اپنے دوستوں کو دعوت پر بلاتا، تو اسے روبینہ کی بہت منت،

ساجت کرنی پڑتی۔

روبینہ کا بس چلتا تو وہ کچن میں ہی سنگھار دان کو کہیں سجا لیتی کہ جب اسے فرصت کا کوئی لمحہ ملتا تو وہ آئینے میں جھانک لیتی۔

احمر، اس غایت درجہ آرائش و زیبائش سے تنگ آ کر کہتا کہ تم تو کچن کا کام بھی چھوڑ دو اور بیوٹی پارلر کھول لو۔ خود بھی چوبیس گھنٹے بجی سنوری رہو اور دوسروں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لو۔

”سچ، تم نے تو میرے منہ کی بات چھین لی۔“ روبینہ نے فرط مسرت سے کہا۔  
آج، ممتاز افسانہ نگار حبیب انور کی سالگرہ تھی۔ احمر کے یہاں ہی اہتمام تھا۔  
شام ہوتے ہی احمر کے یہاں دوستوں کا آنا شروع ہو گیا تھا۔

مبارکبادیاں، دعاؤں اور شیرینی سے حبیب انور کو خوب خوب نوازا گیا تھا۔  
گلوٹوشی، گلدستوں، فوٹو اور ویڈیو میں وہ خوش گوار فضا قید ہوتی رہی۔  
جب ڈنٹر نیبل پر خوش ذائقوں اور لذیذ نفیس کھانوں کا دور چل رہا تھا۔ تو احمر کے دوستوں نے دعوت کا لطف لیتے ہوئے کہا۔

”لگتا ہے، آج حبیب انور کے ساتھ ساتھ روبینہ بھابی کی بھی سالگرہ ہے۔“

”بھابی صاحبہ نے دل سے ڈشیز تیار کیں ہیں؟“

روبینہ نے سر تسلیم خم کر کے کریڈٹ قبول کیا۔

احمر کے ہونٹوں پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔

احمر نے ایک ڈش کے نیچے دبے، چھپے ہوئے کاغذ کے پُزے کو دیکھا اور مہمانوں

کی نظروں سے بچاتے ہوئے، اُسے ٹشو پیپر کی طرح مسل کر ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔

حالات میں اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

... کے لئے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

... کے لئے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

... کے لئے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

... کے لئے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

... کے لئے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

... کے لئے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

... کے لئے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

... کے لئے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

... کے لئے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

... کے لئے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

... کے لئے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

... کے لئے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

... کے لئے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے اس کی طرف سے

**جنگ آزادی کی ڈیڑھ سو سالہ تقریب کا سلسلہ سرکاری سطح پر اور ذاتی طور پر**

منائی جا رہی تھی، اخبار، رسالے، اپنے خصوصی نمبرات شائع کر رہے تھے۔ شاعر

شہیدانِ آزادی پر نظمیں لکھ رہے تھے۔

جنگ آزادی میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، اور قبائلیوں نے بھی اپنی جان کی

قربانی دے کر فرنگیوں سے ملک آزاد کرایا تھا۔

آزادی پر سبھی اقوام کا برابر کا حق تھا۔

ایک تنظیم، جنگ آزادی سے متعلق ڈراموں کے ذریعے شہیدوں کی زندگی اور قربانیوں پر مبنی ڈرامے پیش کر رہی تھی تاکہ نئی نسل اپنے شہیدان وطن کے بارے میں جان سکیں۔ سرکاری سطح پر یہ تقریب انجام دی جا رہی تھی۔

ایک مقررہ تاریخ تک Entries داخل کرنے کا اعلان شائع ہوا تھا۔

- ۱۔ ٹیپو سلطان پر لکھا اسکرپٹ مسترد ہو گیا تھا۔
- ۲۔ بہادر شاہ ظفر پر لکھا اسکرپٹ واپس کر دیا گیا۔
- ۳۔ اشفاق اللہ خاں وارثی پر لکھا ڈراما، اسٹیج نہیں کیا جاسکا۔
- ۴۔ عوٹ خاں توپچی مشہور نام نہ ہونے کے باعث پسند نہیں کیا گیا۔
- ۵۔ برکت اللہ بھوپالی کے نام پر لوگوں نے قہقہہ لگایا اور کہا یہ کس کھیت کی مولیٰ ہے۔  
لوگ ان کی قربانیوں سے ناواقف تھے۔

۶۔ محمد علی جوہر نام پیش ہوا لیکن دانشوروں کے انتخاب میں نہیں آیا۔

۷۔ بیگم حضرت محل، بی لقاں کا نام گویا کبھی سنا ہی نہیں تھا۔

اور جب اس نے جھانسی کی رانی پر اپنا اسکرپٹ پیش کیا تو اسے پسند کر لیا گیا۔

اس نے تاتیا ٹوپے پر اسکرپٹ پہنچایا تو خوشی خوشی پسند کر لیا گیا۔ بھگت سنگھ، رام پرساد بسمل،

چندر شیکھر آزاد پر جلد از جلد اسکرپٹ جمع کرنے کا اُسے خط موصول ہوا تھا۔

اسے ہی یہ تمام Episode لکھنا تھے۔

•••

آپ ہمارے کتابی سلسلے کا حصہ بن سکتے  
ہیں مزید اس طرح کی شان دار،  
مفید اور نایاب کتب کے حصول کے لئے  
ہمارے واٹس ایپ گروپ کو جوائن کریں

ایڈمن پینل

عبداللہ عتیق : 03478848884

صدرہ طاہر : 03340120123

حسین سیالوی : 03056406067

## مذہب

لڑکی نے اس کلرک کی طرف اپنا فیملی کارڈ بڑھایا۔

”نام“.....؟

”سوریہ کماری“

”ولدیت“؟

”حافظ عبدالرحمن“؟

”ولدیت حافظ عبدالرحمن؟“

کارڈ کی خانہ پڑی کرنے والے کلرک نے اس لڑکی کے چہرے پر نظر گاڑ دی۔

”لکھئے، ولدیت حافظ عبدالرحمن۔“

یہ دو وقت کی روٹی پر سچائی کی مہر تھی۔

## فنکار

اُس نے گھر آئے ہوئے پبلشر کے سامنے اپنے فن پاروں کا مسودہ  
نذر آتش کر دیا۔

”ارے یہ کیا کر رہے ہو؟“ پبلشر نے مسودہ لپک لیا۔

”ابھی منٹو کو مر جانے دو!“ کہتے ہوئے اُس نے اپنا دوسرا مسودہ اٹھایا

اور اُسے پُرزے پُرزے کرنے لگا۔

”پاگل ہو گئے ہو، یہ کیا کر رہے ہو؟“

”ابھی منٹو پریم چند زندہ ہے“

## محمد خالد عابدی کی مطبوعہ کتب

- (۱) آوازِ نما (ریڈیو ڈراموں کا مجموعہ) ۱۹۷۵ء
- (۲) باغِ فکر معروف بہ مقطعاتِ نساخ (ترتیب و تدوین) ۱۹۷۷ء
- (۳) ہیکرِ آواز (ریڈیو اور اسٹیج ڈراموں کا مجموعہ) ۱۹۸۳ء
- (۴) زخموں کے درتپے (افسانوں کا مجموعہ) ۱۹۸۸ء
- (۵) شکایتاً عرض ہے (طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا مجموعہ) ۱۹۹۱ء
- (۶) اُردو انٹرویوز (اُردو ادیبوں، شاعروں اور فلمی ہستیوں سے مراسلاتی انٹرویوز) ۱۹۹۲ء
- (۷) ٹیچر کے بغیر (بچوں کے ڈرامے) ۱۹۹۳ء
- (۸) مضامین خالد (تحقیقی و تنقیدی مضامین) ۱۹۹۵ء
- (۹) اُردو مراسلاتی انٹرویوز (اُردو ادیبوں، شاعروں اور فلمی ہستیوں سے مراسلاتی انٹرویوز) ۱۹۹۶ء
- (۱۰) نقطہ نوگریز (مثنوی افسانوں کا مجموعہ) ۲۰۰۹ء



## محمد خالد عابدی کی متوقع کتب اور مضامین

- (۱) مصلحہ (بھوپال کے شعراء، ادباء سے رو بہ روانٹرویو)
- (۲) گفتگو (ریڈیو سے نشر شدہ انٹرویو)
- (۳) انٹرویو (شعراء، ادباء اور فلمی ہستیوں سے مراسلاتی انٹرویو)
- (۴) متاع رفتہ (مرحوم شعراء، ادباء کے خطوط بنام محمد خالد عابدی)
- (۵) اُردو ڈائریکٹری (اُردو کے شعراء و ادباء اور صحافیوں کے حالاتِ زندگی اور ان کی علمی و ادبی خدمات)
- (۶) قلم ڈائریکٹری
- (۷) قلموں کی ترقی میں اُردو زبان و ادب کا حصہ
- (۸) مدھیہ پردیش میں امیر جینائی، داغ دہلوی، مضطر خیر آبادی، مولانا احسن مارہروی اور سیماب اکبر آبادی کے تلامذہ
- (۹) مدھیہ پردیش کے اُردو افسانہ نگار
- (۱۰) مدھیہ پردیش کے اُردو ناول نگار
- (۱۱) مدھیہ پردیش کے اُردو ڈراما نگار
- (۱۲) مدھیہ پردیش کی خواتین قلم کار
- (۱۳) مدھیہ پردیش میں اُردو طنز و مزاح
- (۱۴) مدھیہ پردیش کے اُردو اخبار و رسائل اور گلڈتے
- (۱۵) مدھیہ پردیش کے ہندو شعراء و ادباء
- (۱۶) بھوپالی لغت

### مضامین:

- (۱) نواب شیفتہ کا بھوپال سے تعلق
- (۲) اُردو لغات نگاری میں بھوپال کا حصہ
- (۳) ریاست بھوپال اور اُردو ڈراما
- (۴) سر اس مسعود اور بھوپال
- (۵) سر اس مسعود اور ان کی تصنیفات و تالیفات
- (۶) بھوپال کے قدیم مطابع اور ان کی مطبوعات
- (۷) مولانا حالی اور بھوپال
- (۸) علامہ راشد الخیری اور بھوپال
- (۹) بھوپال کے تاریخی، یادگار مشاعرے
- (۱۰) تذکرہ چمنستان سخن
- (۱۱) ایک نایاب اور فراموش شدہ تذکرہ گلزار سخن
- (۱۲) ایک گمنام شاعر نسی جگنا تھ پر شاہد مشرفیض بلا سپوری
- (۱۳) ایک گمنام شاعر سید محمد طفیل احمد بدرامروہوی
- (۱۴) اشاریہ آغا حشر کاکمیری
- (۱۵) حکیم اجمل خاں اور بھوپال

चयन नहीं होने दिया।

7. बेगम हजरत महल, बी अम्मां का नाम कभी स्वपन में भी नहीं सुना था।

और जब उसने झाँसी की रानी, पर अपना स्क्रिप्ट प्रम्नु किया तो नुरन्त पसंद कर लिया गया। उसने तात्या टोपे पर आलेख प्रम्नुत किया तो पसन्द कर लिया गया। भगत सिंह, राम प्रसाद बिस्मिल, चंद्र शेखर आजाद तत्काल "स्क्रिप्ट" जमा करने का उसे पत्र प्राप्त हुआ था।

उसे ही यह समन्त "एपीसोड" लिखने थे।



## 46) धर्म

लड़की ने उस क्लर्क की तरफ अपना फेमिली कार्ड बढ़ाया।

"नाम.....?"

"सूर्य कुमारी..."

"पिता का नाम...?"

"हाफिज़ अब्दुर्रहमान?"

"पिता का नाम हाफिज़ अब्दुर्रहमान"

कार्ड की रिक्त पूर्ति करने वाले क्लर्क ने उस लड़की के चेहरे पर नजर गाड़ दी।

"लिखिए, पिता का नाम हाफिज़ अब्दुर्रहमान"

यह दो वक्त की रोटी पर सच्चाई की मोहर थी।



## 47) फंकार

उसने घर आए प्रकाशक के सामने अपने लिखे हुए उपन्यास और कहानियों का मुसब्बिदा अग्नि को समर्पित कर दिया।

"अरे यह क्या कर रहे हो?"

प्रकाशक ने मुसब्बिदा लपक लिया।

"अभी मिन्टों को मर जाने दो" कहते हुए उसने अपना दूसरा मुसब्बिदा उठाया और उसे पुर्जे-पुर्जे करने लगा।

"पागल हो गए हो, यह क्या कर रहे हो?"

"अभी मुंशी प्रेम चंद जिंदा हैं।"

यहाँ ही सारी व्यवस्था थी। शाम होते ही अहमर के यहाँ मित्रों का आगमन शुरू हो गया।

बधाईयों, आशीर्वाद, दुआओं और मिठाईयों से खूब नवाजा जा रहा था। फूलों की मालाओं, गुलदस्तों, फोटो, और विडियो में वह सुखद क्षण कैद होते रहे।

जब डिनर टेबल पर एक से बढ़कर एक स्वादिष्ट व्यंजनों और नफीस खानों का दौर चल रहा था तो अहमर के मित्रों ने पार्टी का आनंद लेते हुए कहा।

लगता है, आज हसीब अनवर के साथ-साथ भाभी जी की भी वर्षगांठ है।

“भाभी जी ने दिल से डिजेज तैयार की हैं।”

स्वीना ने सर झुकाकर क्रेडिट स्वीकारा।

अहमर के होठों पर एक व्यंगात्मक मुस्कान थी।

अहमर ने एक डिश के नीचे दबे-छुपे हुए कागज़ के पुर्जे को देखा और महमानों की नज़रों से बचाते हुए उसने “टिशू पेपर” की तरह मसलकर डस्टबिन में डाल दिया।



## 45) खून की पहचान

स्वतंत्रता संग्राम की वर्षगांठ का क्रम सरकारी स्तर पर और व्यक्तिगत स्तर पर संपन्न हो रहा था। समाचार पत्र और पत्रिकाएं अपने विशेषांक का प्रकाशन कर रहे थे।

शायरगण, देश पर शहीद होने वाले वीरों पर नज़में लिख रहे थे।

स्वतंत्रता संग्राम में हिन्दू-मुस्लिम, सिख, ईसाई और आदिवासियों ने भी अपनी जान का बलिदान देकर फिरंगियों से देश को आजाद कराया था।

आजादी पर सभी जातियों, संप्रदायों को बराबर का अधिकार था।

एक संस्था स्वतंत्रता संग्राम से संबद्ध नाटकों के द्वारा शहीदों के जीवन और उनके बलिदानों पर आधारित नाटकों का मंचन कर रही थी ताकि आने वाली पीढ़ी अपने शहीदों के विषय में जान सके। सरकारी स्तर पर इस प्रकार के आयोजन हो रहे थे।

एक निश्चित तिथि तक एन्ट्रीज़ जमा करने की उद्घोषणा हुई थी।

1. टीपू सुल्तान पर लिखा स्क्रिप्ट निरस्त हो गया था।
2. बहादुरशाह ज़फ़र पर लिखा स्क्रिप्ट वापस कर दिया गया था।
3. अशफ़ाकुल्लाह खाँ वारसी पर लिखा नाटक का मंचन नहीं हो सकता था।
4. गौस खाँ तोपची, प्रसिद्ध नाम न होने के कारण पसंद नहीं किया गया।
5. बरकतुल्लाह भोपाल के नाम पर लोगों ने ठहाका लगाया।
6. मो. अली जोहर का नाम प्रस्तुत हुआ परंतु विद्वानों ने इस नाम का

युवक ने आक्रोश वश वह कागज़ फाड़ डाले।  
बुजुर्ग अपने स्थान से उठे और व्यंग्य की मुद्रा में उन्होंने कागज़ के पुर्जों को कचरे की डलिया में डाल दिया।



## 42) मुक्ति

रोगी को उसके परिवारजन डॉक्टर के पास लाए। डॉक्टर ने रोगी की साँसें और डूबती नब्बें देखी।

“इसे तुरन्त बड़े हॉस्पिटल ले जाओ।”

परिवारजन ने रोगी को उठाया और वह उसे गमशान की ओर ले चले।



## 43) पारदर्शी

एक सुन्दर युवती ने अपनी स्कूटी अजनबी युवक के समीप रोकते हुए पूछा।

“सुनिये” \_\_\_\_\_

“जी \_\_\_\_\_”

“यह पुलिस इन्स्पेक्टर कहाँ रहते हैं? उस युवती के हाथ में पता लिखा कागज़ था।

युवक ने उस कागज़ के पुर्जे पर नज़र डाली।

युवक ने अपना परिचय कार्ड उसकी ओर बढ़ा दिया।

“जी \_\_\_\_\_”?



## 44) सुगंधस्वाद

रुबीना यूँ तो रोज ही अच्छा मेकअप करती। और जब किसी आयोजन का अवसर होता तो वह किसी दुल्हन सा मेकअप करती। वतुतः उसे किसी भी प्रसाधन की आवश्यकता नहीं थी। वह युवा थी, आकर्षण उसमें पर्याप्त था, शारिरिक सौन्दर्य उसका आभूषण था। फिर भी वह घंटों श्रृंगारदान के सामने स्वयं को संवारने में व्यस्त रहती।

अहमर, जब कभी अपने मित्रों को भोज पर बुलाता तो उसे रुबीना की बहुत खुशामद करनी पड़ती।

रुबीना का बस चलता तो वह किचिन में ही श्रृंगारदान को कहीं सजा लेती कि जब वह चाहती तो कुछ क्षण दर्पण में आँक लेती।

अहमर, उसके इस व्यवहार से-तंग आकर कहता-

“तुम तो किचिन का काम भी छोड़ दो और व्युटी पार्लर खोल लो। स्वयं भी चौबीस घंटे बनी संवरी रहो और दूसरों को भी अपने रंग में रंग लो.....”

“सच तुमने तो मेरे मुँह की बात छीन ली”

रुबीना ने प्रसन्नता की मुद्रा में कहा।

आज, प्रसिद्ध कथाकार हसीब अनवर की वर्षगांठ थी अहमद के

एक लिफाफा बड़ा। युवक कमरे से बाहर निकला।

उस भव्य बंगले पर नज़र डालने हुए लिफाफे में से निकालते हुए नोट गिनने लगा।

आज इस रकम से वह खाने का सामान, बच्चों के खिलौने, चाकलेट, और टाफी और पान्न के लिए एक साढ़ी भी खरीद सकता था।



## 41) स्वपनों का धोखा

घर के एक बुर्जुग जो एक कोने में बैठे घर के लोगों की गतिविधियों पर गन्ड की सी नज़र रखे हुए थे! घर में जहाँ भी किसी तरह की अनियमिनाएं इत्यादि महसूस करते तो उस पर पकड़ करने से चूकते नहीं थे। वस्तुतः इस आयु में यही एक काम विशेष होना है!

आज जब उस घर के एक युवक के हाथ में फार्म नुमा कागज़ात देखे तो पूछ बैठे।

"मियाँ यह क्या कागज़ात है?"

"अब्बा मियाँ एक नई योजना निकली है उसके कागज़ात हैं।"

"मियाँ योजनाएँ तो आदिवासियों के लिए निकलती है, पिछड़ी जातियों के लिए निकलती है। तुम्हारे लिए कौनसी योजना निकली है हम भी तो देखें" उस बुर्जुग ने कहा अनुभवों के आधार पर कहा।

वह उस कागज़ के पुलिन्दे को देखने लगे।

"लो मियाँ इस फार्म की कोई कीमत/फीस भी अदा की होगी। बुर्जुग ने कागज़ देखकर वापस करते हुए कहा।

"जी हाँ, अब्बा मियाँ, यह सौ ₹ का फार्म है।"

युवक ने उन बुर्जुग को बताया कि सरकार ने विशेष तौर पर हम लोगों के लिए यह योजना निकाली है, कि नौकरियों में हमारा भी एक विशेष अनुपात होगा। हमारे जो बच्चे स्कूल नहीं जा सके हैं या जिन बच्चों ने स्कूल/कॉलेज की शिक्षा अधूरी छोड़ दी है, उन्हें विशेष सुविधाएँ दी जाएंगी। जो बैंक हमें ऋण देने में आना कारना करने हैं उनसे जवाब तलब किया जाएगा, पूछ-ताछ होगी। जो व्यक्ति सुविधाओं से वंचित रहे हैं उन्हें आसान शर्तों पर ऋण मुहैया किया जाएगा। सरकारी कार्यालयों में उच्च पदों पर नियुक्तियों में हमारा अनुपात कम क्यों है। इस पर विचार-विमर्श किया जाएगा। जेलों में जो कैदी बेकुसूर दण्ड भोग रहे हैं उन सब का इसमें उपाव है। पुलिस और मिलेट्री.....

"बस-बस मियाँ....."

बुर्जुग ने खीजकर युवक को अत्याधिक बोलने से रोक दिया।

"मियाँ, मदारी भीड़ जमा करके, नोट बहोर कर चलना बना, और तुम उसके तिलिसमी जाल में छटपटा रहे हो। ऐसे मदारी वर्षों से आते रहे हैं और आते रहेंगे।"

माद्रि र्वाँ का पब्लिसिटी मैनेजर और जश्न में "फलाह" की सफलता का क्रेडिट ले रहा था।

जानकार उसे बधाइयाँ दे रहे थे!



### 38) गुल प्यादा:

यही वह मकान था और वही रहवासी। जब गन वर्ष में अपने मित्र के यहाँ नव ज्ञान शिशु के जन्म के अवसर पर आया था। मकान पर कितनी प्रकाश मज्जा थी। आकाश में आनिशवाजी हो रही थी। पूरा मोहल्ला प्रकाश मय था। भेट स्वरूप आए हुए उपहारों का ढेर लगा था!

उस आयोजन के आगे शादियों के जश्न भी फीके पड़ गए थे।

हाँ! यह है वह मकान और रहवासी। लेकिन आज माहोल में कितना शोक, सन्नाटा और वीरानी सी छाई हुई है। चेहरे उदास हैं!

आज इस घर में लड़की पैदा हुई है।



### 39) तमगों की साख:

मुजाहिदुल्ला र्वाँ भी स्वतंत्रता संग्राम सैनानियों में से एक थे। सरकार उन्हें तमगों औ प्रशंसा पत्र मिले थे।

मुजाहिदुल्ला र्वाँ के बेटे शिक्षित नो थे परन्तु सरकारी नौकरी नहीं पा सके थे।

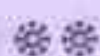
मुजाहिदुल्ला र्वाँ कभी-कभी बेटों की बेरोजगारी का विचार करके दिल ही दिल में पश्चाताप सा महसूस करते।

बेटे के लिए बाप के तमगों और परशंसा पत्र नौकरी का साधन नहीं बन सके तो उन्होंने अपनी राहें खुद ही प्रशस्त कर लीं।

पुलिस को उनके दोनों बेटों की तलाश थी। पुलिस वालों ने मुजाहिदुल्लाह र्वाँ को बड़ी क्रूरता से खींचते हुए पूछा

"बूढ़े कहाँ छुपा रखा है अपने बेटों को?"

जब तक बेटे हाथ न आए बाप को हवालान में रहना पड़ा।



### 40) ऊख

उसने बढ़कर उस युवक के हाथ से परिधान छीन लिया था। वह फिर व्यस्त हो गया। जैसे कोई बार्डक नए पिक अप के साथ दौड़ रही हो!

"कितना कमा लेते हो?"

"काम चलने पर है!"

"क्या काम करते हो?"

"यह काम नहीं करता ..."

और जब वह कमरे से बाहर जाने के लिए तैयार होने लगा तो उसकी तरफ

जा रहे थे। माहिर खाँ के लिए फिल्म में रोल हो या न हो बस माहिर खाँ उनकी फिल्म में सुशोभित होना चाहिए।

माहिर खाँ की फिल्में सुपर डुपर हिट हो रही थीं। निर्माता माहिर खाँ को अपनी फिल्मों में लेने ही होड़ में अच्छे बड़े से बड़े हीरो को नजर अंदाज़ कर रहे थे।

माहिर खाँ देश में चल रहे एक आन्दोलन से भी जुड़े थे। वह आन्दोलन यह था कि एक विशेष समुदाय को भी रिज़र्वेशन, मिलना चाहिए। परन्तु देश का नव्वे प्रतिशत जन समुदाय उस विशेष समुदाय को रिज़र्वेशन देने का विरोधी था।

माहिर खाँ ने उस आन्दोलन में बढ़-चढ़ कर भाग लेने का उद्घोष किया। यह घोषणा होनी थी कि देश के अनेक स्थानों में माहिर खाँ और उसकी फिल्मों का विरोध जलसे, जुलूस, पुतले फूंकना, माहिर खाँ मुरदाबाद, माहिर खाँ हाय-हाय के नारे लगाने लगे।

और फिर माहिर खाँ की नई फिल्म "फ़लाह" प्रदर्शित हुई। परन्तु अहमदपुर के कई विरोधियों ने सत्तारूढ़ सरकार के समर्थक वरकरों ने "फ़लाह" का प्रदर्शन रोकवा दिया!

"फ़लाह" के प्रदर्शन के रोकने का समाचार, मीडिया ने अख़बार, रेडियो, टी. वी. से चप्पे-चप्पे में यह सूचना पहुँचा दी।

पाँसा पलट गया।

फिल्म "फ़लाह" ने ज़बरदस्त बिज़नेस किया। पिछले रेकार्ड टूट गए। सुप्रीम कोर्ट ने भी अपना निर्णय सुना दिया कि यदि लोग चाहे तो फिल्म "फ़लाह" अहमदपुर में भी प्रदर्शित की जा सकती है।

यह सूचना फैलना थी कि माहिर खाँ के समर्थन में आयोजन होने लगी कि अहमदपुर में भी माहिर खाँ की फिल्म "फ़लाह" रिलीज़ की जाए। फिल्म रिलीज़ हुई। अहमदपुर में भी फिल्म ने रेकार्ड तोड़ बिज़नेस किया।

देश में और फिल्म इन्डस्ट्री में एक तहलका मच गया कि आज तक किसी फिल्म ने "फ़लाह" की तरह बिज़नेस नहीं किया। वह निर्माता जो माहिर खाँ को अपनी फिल्म में लेकर परेशान था कि देश की स्थिति माहिर खाँ के विरुद्ध हो गई है। वह अब उन्हें उपहार में नए माडल की कार की चाबियाँ सोप रहा था।

फिल्म ने "फ़लाह" की जश्न मनाने जा रहा था।

मीडिया वालों ने माहिर खाँ से फिल्म "फ़लाह" की सफलता का रहस्य पूछा तो माहिर खाँ ने कहा:

पब्लिक ने मुझे पसंद किया इसलिए "फ़लाह" कामयाब हुई।

एक पत्रकार ने प्रश्न किया।

"आप रिज़र्वेशन" आन्दोलन में शामिल हो गए थे के इतने लोगों में यह भावना जागी कि आप हमारे "अभिनेता ही नहीं नेता भी हैं।"

माहिर खाँ ने कहा

"मेरा रिज़र्वेशन आन्दोलन से कोई वान्ता नहीं।"

"इतने... इतने सारे रु. ....?"

"हाँ माँ पूरे जीवन की तख्वाह पहुँचाई है असलम ने....."

"पूरी जिंदगी की तख्वाह....."

माँ कुछ और पूछती। जमना प्रसाद वहाँ से रुख्त हो गया!



### 36) शिला लेख

बटवारा किसी भी चीज़ का हो सतोप प्रद नहीं होता।

शक्ति, बेईमान का जबरदस्त हथियार होता है! अमजद अपने माता - पिता का इकलौता और लाडला नहीं था। उसके चार भाई और भी थे।

माता पिता की सेवा और उन को खर्च देना केवल अमजद का ही धर्म था।

अमजद गंभीर स्वभाव का और शिक्षित था। पिता ने सभी भाईयों की शिक्षा पर समान तवज्जोह दी थी!

हज़रत युसूफ़ के ज़माने का कलेण्डर आज भी उस घर में टंगा था!

भाईयों ने स्वयं ही अमजद को बाप के लाडले की उपाधि - सेविभूषित कर दिया था!

पिता ने जब सदा के लिए अपनी आँखें मुद ली तो गिद्ध की तरह सभी भाई, तर्के पर टूट पड़े थे। वह बंदूके और तलवारे जो घर की दीवारों पर "शोपीस की तरह सजी थीं। उन में हरकत पैदा हो गई थी! पास-पड़ोस के बुजुर्गों ने बीच में पड़ कर उन हथियारों को खून चाटे बिना वापस दीवारों पर पुनः सुशोभित कर दिया था!

अमजद पर यह दोषारोपण भी था कि पिता के जीवन पर्यन्त उसने पिता के विरुद्ध भाईयों को वरगलाया था।

यह मात्र आरोप था।

झूठ को परवाह नहीं होती और सच को परीक्षा से गुज़रना होता है!

अमजद को अदालत कचहरी से अपना हक लेना इतना आसान ना था। उसके लिए एक और जन्म की आवश्यकता थी।

अमजद ने पिता और वंश की इज़्जत की खातिर एक आहुती दे दी!

अमजद प्रायः अपने घर आता है। पिता के लगाए हुए जामुन के वृक्ष पर लाके लेटर बाक्स में से अपनी डाक निकालता है और फिर दूसरी बार उस निर्जीवी टीन के डब्बे से आने का वाअदा करके वह लेटर बाक्स में ताला लगाकर चला जाता है।



### 37) पाँखा

माहिर खाँ एक सफल कलाकार था। फिल्मी हंगे में उसका जबरदस्त मार्किट था। निर्माता निर्देशक माहिर खाँ को अपनी फिल्मों में लेने के लिए मरे



माहाना खर्च पहुँचा था। वह एक वर्ष में ही दो तीन स्वयं भी माँ के पास आता था।

असलम को अपनी माँ को पैसा पहुँचाने की इतनी जल्दी होती थी कि वह कोरियर सर्विस से भी पैसा पहुँचा दिया करता था!

एक रात जब कि वह गर्मियों के मौसम में अपनी कोठरी से निकल कर ब्रेकरी के बंद होजाने के बाद बाहरी हिस्से में जो कि फुट-पाथ के करीब ही अपने साथियों के साथ लेटे हुए बातें कर रहा था। दिन भर के थके माटे शरीर को नींद से नहीं विनती नहीं करनी होती है।

असलम कुछ देर बाद ही खर्राटे ले रहा था!

असलम और उसके साथी नींद की पहली मजिल में ही थे कि गुज़रती हुई कारों में से एक तेज़ रफ़्तार कार फुट-पाथ के ऊपर चढ़ गई!

इधर-उधर फुट-पाथों और बंद दुकानों के ओटलों पर जो लोग सो रहे थे, वह हड़बड़ाकर जाग गए!

एक युवक कार में से निकला। इससे पूर्व कि वहाँ खड़े लोग उस पर टूट पड़ते वह उसे देख कर ठिठक गए। वह एक सुप्रसिद्ध फिल्म नायक था

अहसान खाँ।

लोग आपसमें काना फूँसी कर रहे थे। अहसान खाँ अहसान खाँ.....। अहसान खाँ के चेहरे पर डर और घबराहट के मिले जुले भाव थे।

असलम को कार के पहिये के पास से खेंच कर बाहर निकालने के जतन किए जा रहे थे। भीड़ में से एक व्यक्ति ने बढ़कर अहसान खाँ के गिरेबान की तरफ हाथ बढ़ाया ही था कि किसी ने अहसान खाँ को बचा लिया!

अहसान खाँ ने माहोल की गभीरता को महसूस करते हुए उस व्यक्ति को एक ओर लेजाकर कुछ बात की। परन्तु वह व्यक्ति अहसान खाँ से सहमत नहीं हो रहा था।

अहसान खाँ और उस व्यक्ति में क्या बात हुई कोई समझ नहीं सका!

अहसान खाँ अपनी कार में सवार हुआ और हवा हो गया। भीड़ जो अंधेरे में थी, अंधेरे में ही रही!

असलम के घर पर दस्तक होती है।

“माँ”.....!

“कौन? असलम आया है?” असलम की माँ दरवाजे की तरफ आई!

“अरे तू, जमना प्रसाद, मैं समझी असलम आया है। असलम क्यों नहीं आया?”

जमना प्रसाद, माँ को एक भारी पैकिट थमाते हुए जाने लगा तो माँ ने पूछा-

“क्या पहुँचाया है असलम ने?”

माँ ने जल्दी-जल्दी पैकिट खोला। कपड़े माँ के लिए बहन के लिए और एक मोटी रकम।

### 35) एक मुश्किल

असलम अभी दस वर्ष का था कि उसके पिता का देहान्त हो गया था।

माँ और उसकी एक छोटी बहन उसका कुल परिवार था।

बाप की सम्पत्ती पर उनके रिश्तेदार काबिज़ थे।

असलम के पिता प्रायः कहा करते थे कि बुजुर्गों ने बटवारा सही नहीं किया। अन्ततः उन्होंने बहुत ही कम और तंग जगह में अपना जीवन गुज़ार कर और भी कम और तंग स्थान कब्रन्तान में खुद को समेट लिया था।

असलम अपने शहर में जो कि बड़े शहर की परिभाषा में नहीं आता था, व्यवसाय के साधन भी वहाँ पर्याप्त नहीं थे।

पिता ने कभी कर्ज़ नहीं लिया था परन्तु वह एक बड़ा कर्ज़ असलम के सर पर छोड़ गए थे। जिसकी अदाएगी शीघ्र होना थी। वह अपने पीछे एक लड़की सलमा, बेटा असलम और एक विधवा छोड़ गए थे।

असलम पर जो कर्ज़ था वह था सलमा की शादी।

असलम शिक्षित नहीं था। टूटी-फूटी उर्दू-हिन्दी पढ़ लेता था। अख़बार पढ़ लेता था।

अख़बार में जब वह किसी लड़की की शादी और दहेज़ के लेन-देन पर झगड़ा, और झगड़े में किसी के कत्ल हो जाने की ख़बर पढ़ता तो सहम जाता। वह भी सोचता कि पिता उसके सर पर उसकी बहन की जिम्मेदारी छोड़ गए हैं।

वह किस तरह यह फ़र्ज़ पूरा कर सकेगा उसके मित्र कभी, खुद उसकी शादी का आभास कराने तो वह एक आह भर कर रह जाता। माँ-और बहन की जिम्मेदारी ने उसे अपनी इच्छा व्यक्त करने की मोहलत ही नहीं दी। वह कभी-कभी अपने मित्रों से हसी में कहता तुम लोग मुझ से शादी की बात करते हो। शायद मैं कुंवारा ही मर जाऊँगा!

और एक दिन.....

असलम किसी को बताए बग़ैर उस रेल में बैठ गया जो मुम्बई जाती थी।

वह मुम्बई आ गया।

मुम्बई तो माँ के अलिंगन की तरह है। गरीब अमीर सब उसके बाहुपाश में परवरिश पाते हैं।

असलम के पास दो-चार जोड़ी कपड़े, चार-पाँच सौ रु. और जी तोड़ परिश्रम यह उसकी कुल पूंजी थी। उसे काम की तलाश में भटकना नहीं पड़ा।

रायल बेकरी में उसे काम मिल गया था। वेतन ओवर टाइम, इतवार की छुट्टी, और बेकरी की एक कोठी में ठहरने की जगह। असलम को लगा मानो उसको सम्पत्ती मिल गई!

वह खुश हो गया।

असलम हर माह अपने घर अपनी माँ को अपने वेतन में से नियमित रु. में से खर्च के लिए मनी आर्डर करता था। कभी वह किसी-परिचित के हाथ

“डूँ ठीक है।”

“साजिदा बी”

एक उम्र रसीदा औरत के कान के पास उसके बेटे ने जोर से कहा माँ अपना नाम बतादो।

जज, प्रतीक्षा करता रहा।

“साजिदा बी” कमजोर आवाज़ में वह बोली।

जज, ने फोटो देखा और फायल पर इतमेनान का कोई चिन्ह बना दिया

एक के बाद दुसरा, परिवार के सभी भाई, बहनों, माता, पिता की तरफ से जज को संतोष हो गया तो फ़ायल बंद करते हुए जज ने कहा - -

किसी एंक के नाम चेक बनवा लीजिए। करीब ही बैठा चेक कर्लक सभी के चेहरों की तरफ देखने लगा।

“सब के नाम के चेक अलग-अलग बना दिजिए।”

जज, ने फ़ायल पर पूरे परिवार का फ़सला लिखा और फ़ायल पर फुंदना कस दिया।



### 34) बम्पर ड्र

आज जब मैंने प्रातः अख़बार देखा तो उसके मुख्य पृष्ठ पर एक बड़ी कंपनी का भव्य विज्ञापन छपा था! कंपनी की ओर से एक लाख रू. के पुरस्कार की घोषणा थी!

यदि उम्मीदवार अधिक होंगे तो पुरस्कार राशि सभी में समान रूप से विभाजित कर दी जाएगी। विज्ञापन में उक्त इबारत के साथ ही एक चित्र भी प्रकाशित हुआ था।

कुछ दिन गुज़रने के पश्चात् मेरा पड़ोसी आया। उसने मुझ से पूछा -

“भाई साहब क्या अख़बार आ गया?”

“अभी तक तो नहीं आया।”

वह मेरे पूछे बग़ैर ही कहने लगा।

“ आज पुरस्कार की घोषणा होने वाली है!

कुछ देर बाद हाकर अख़बार डाल गया। मैं अख़बार देख रहा था। मुख्य पृष्ठ पर मोनो टाइप में नाम, पते और पुरस्कार राशि छपी थी।

ऐसा क्या था किस पर इतने लोगों का 'हल' सही पाया गया था।

मैं सोच रहा था!

कुछ दिनों पूर्व इस अख़बार में एक युवती-खिलाड़ी का चेहरा छूपा 'धड़' प्रकाशित हुआ था।

लोगों ने उसके शरीर की अनेकबार देखा था। वह बग़ैर चहरे के उस खिलाड़ी के पहचान गए थे!



“ मैं तो तुम लोगों के मुआवज़े में से कुछ नहीं माँग रहा। फिर तुम मेरे मुआवज़े पर गिद्ध की तरह क्यों गिर रहे हो।

“ मुझे, बाइक की किस्तें भी देना हैं।” असलम ने टका सा जवाब दिया! उसने एक झटके से बाइक मोटरसायकिल स्टार्ट की। बाइक का धुआँ रशीद के मुँह पर उसी विषैले भपके की तरह नथनों से होता हुआ फेफड़ों में चला गया।

रशीद को खाँसी से कुछ राहत मिली ही थी कि उसे फिर खाँसी का दौरा उठा। खाँस्ते खाँस्ते उसका चेहरा सुर्ख हो गया। सर चकराने लगा! रोग ने अब उसके शरीर में गहरी पेठ बना लीथी।

रशीद ने अपने मुआवज़े की रक़म अपनी बेटी के हाथ में रखी और कहा—

बेटी यह तुम्हारी शादी का .....अभी उसका वाक़्या अधूरी था कि उसे मूछी आगई!



### 32) मूर्ख

आज एक बड़ी रक़म का चेक केश हुआ था! लोगों के हाथों में नोटों की गड़डियाँ और फिर गड़डियों में से थिरकते नोटों को वह लोग दो-दो बार गिन रहे थे। यद्यपि नोटों की संख्या वही थी जो हिस्सों में आई थी। लेकिन वह लोग इस अंदाज़ से नोटों की गड़डियों को ताश की गड़डी की तरह फेंट रहे थे मानों इन नोटों में से अभी और नोट निकलेंगे और वह दुगने तिगुने होते जाएंगे!

रोचक जुमले (वाक़्य) उछल रहे थे। आकाश को मुट्ठी में भींच लेने की उमंगें थीं।

सामने ही बैठा उसका एक भाई आराम से समाचार पत्र के पृष्ठ पलट रहा था, दुनिया का ख़बर नामा उसके हाथ में था!

इतनी बड़ रक़म में वह हिस्से दार नहीं था?  
लेकिन राशन कार्ड में तो उसका नाम था।

उसकी आत्मा ने यह रक़म लेना क़बूल नहीं किया वह घटना के दिन यहाँ नहीं था।



### 33) एक कहानी की कहानी

गैस मुआवज़े की फ़ायल पर जज ने नज़र डाली। पृष्ठ उलटते हुए मुँह ही मुँह में इधर उधर से कुछ पढ़ने के बाद नज़र उठाई और बोला—

“ शकूर मो. खाँ”

“ जी हाँ हाज़िर हूँ।” एक अस्सी वर्षीय वृद्ध अपनी टोपी और छड़ी संभालते हुए भीड़ में से आगे बढ़ा।

जज ने उसे सर से पैर तक देखा! फ़ायल में लगे फोटो से मिलान किया।

रशीद एक स्थान जिसे वह इत्मेनान की जगह समझ रहा था अपने बच्चों को कंधे पर से और बगलों में दबे हुए बच्चों को उतार कर दम लेने के लिए रुक गया था। सुस्ताने के लिए तो किसी आरामदह जगह, माहोल की ज़रूरत होती है लेकिन यहाँ तो उसे अपनी सलीब खुद ही उठानी थी!

“ उठो-उठो उधर केम्प में चलो”। किसी व्यक्ति ने रशीद का बाजू झंझोड़ते हुए कहा।

“ अपने ही शहर में रहकर केम्प में ठहरना होगा” ? वह फटी-फटी आँखों से इधर उधर देखने लगा। उसकी बीवी ने कहा!

“ उठो उठो, जल्दी चलो मेरा दम घूट रहा है” रशीद कौनसा जिन्दा था। वह भी तो मौत की कगार पर था। सारा शहर जिन्दगी और मौत की कश्मकश में था। पूरा केम्प एक ही तकलीफ़ में था निरंतर खाँस्ते रहना, गले में खराश आँख से आँसू निकलते रहना!

जिस व्यक्ति के पास कोई सहारा, दिशा, मज़िल, नहीं थी वह केम्प में पड़े रहे। कई लोग अपने भूले हुए रिश्तों को याद करते हुए इधर-उधर निकल गए।

यह जो विषैला माहोल था किसी विदेशी का षड़यंत्र था। यह घटना कोई प्रयोग था जो सफल रहा। संबंधित कंपनी ने जब भर पूर मआवज़ा देना स्वीकारा तो मरने वाले भी जीने की दुआएं माँगने लगे!

रशीद ने कर्ज़ लेकर अपने बड़ी बेटी की शादी की थी। अभी एक लड़की और भी थीं ब्याहने को।

दो लड़कियाँ और भी थीं। जो अभी छोटी थीं।

मुआवज़ा मिला गोहूँ, चावल, शकर, और कभी-कभी केरोसीन,। फिर उससे भी बढ़कर मुआवज़े की घोषणा हुई। पीड़ितों के चहरों पर रौनक जैसी कोई चीज़ उभरने लगी थी! अब रक़म के रूप में मुआवज़ा मिल रहा था!



### 31) मुआवज़ा - 2

रशीद ने मुआवज़े की रक़म में से अपनी पत्नि के गिरवी रखे आभूषण वापस छुड़ाए तो उसकी पत्नि को कितनी खुशी हुई थी। उसे अपने वह गहने देख कर अपना दुल्हन बनना याद आगया था।

मुआवज़े की रक़म ने आँसू भी पोंछ दिए थे और घावों को भरना भी।

“ पीड़ितों को पुनः मुआवज़ा मिलेगा”

समाचार पत्र की सुर्खी ने अख़बार हाथों हाथ बिकवा दिया!

बीस बाइस वर्षों के अंतराल में मूल्यों में ज़बरदस्त परिवर्तन आगया था। दोबारा मुआवज़ा मिलना शुरू होगा था!

रशीद ने अपने बेटे असलम के समक्ष हाथ बढ़ाते हुए कहा - -

“ लाओ यह रक़म मुझे दो, सलमा की शादी करना है, किराय के मकान में कबतक रहेंगे, अपना कोई झोपड़ा डालेंगे।”

सबही निकटस्थ थे!

मकान उन्हें इतना पसंद आया कि दूसरे अन्य मकान की तलाश बेमाअनी सी लगी। वह लोग काफी संतुष्ट नजर आ रहे थे!

जब उन्होंने मकान के चहुँ ओर का जायजा लिया तो दिल, धक से हो गया!

वह उसी बसनी में आगए थे जिस बस्ती को वह छोड़ आए थे! इस बस्ती का नाम तो दूसरा था। लेकिन बच्चा-बच्चा, जवान बूढ़ा, वही लोग थे।

वह अब फिर किसी शरण स्थली की तलाश में निकल गए।



## 29) मानसी परकाष्ठ

भोपाल में एक सेमीनार आयोजित किया गया था। आयोजन ने गंगा-जमनी तहजीब के दर्शन हो रहे थे!

जात हुआ कि डॉ. इकबाल ने गायत्री मंत्र का अनुवाद किया था। राम और गुरु नानक पर जो कविताएं लिखी थीं। अक्षरों की जगह हृदय निकाल कर रख दिया था।

इकबाल जो कुछ चिंतकरते थे वह हमें जयशंकर प्रसाद और चकबस्त के साहित्य से लगते थे! मुंशी प्रेम चंद की जो राष्ट्रीय एकता थी वही भावना तो इकबाल का मूल चिंतन था! दुर्गा सहयसुहर और इकबाल के विषयों में एक रस्ता सी थी। त्रिलोक चंद्र महरूम के नगमों को ही तो इकबाल का तराना कहते हैं। तो फिर....."

अखबार का प्रतिनिधि पूछ रहा था! इकबाल पाकिस्तान क्यों चले गए थे!!



## 30) मुआवजा - 1

उस रात रशीद कितना बढहवास और कितना परेशान था। रशीद ही क्या पूरा शहर भगदड़ का शिकार था। उन लोगों की न तो कोई मजिल थी न कोई ठौर ठिकाना। उन्हें किधर जाना है, कहाँ जाना है? जिसका कदम जहाँ उठरहा था बस वही उसकी मजिल, उसका पड़ाव था!

रशीद खाँसी का मरीज नहीं था, वह उस रात किस तरह अपने बीबी-बच्चों को लेकर अपने घर से निकला था, खाँस्ता था रुकता था और फिर चल देता था। वह अपने बच्चों को अपने कंधों और बगलों में इस तरह दबाया हुआ था कि कोई मजदूर या हम्माल बोरियाँ लादकर उठाकर किसी जगह लाकर रखता है। उसे जब खाँसी का ठस्का लगता तो उसके हाथों से बच्चे नीचे सरकने लगते थे। वह फिर शक्ति बटोर कर उन बच्चों पर अपनी पकड़ मजबूत कर लेता।

उसकी बीबी की हालत तो रशीद से भी गई गुजरी मालूम हो रही थी। परंतु वह किसी जिन्दा लाश की तरह उसके साथ एक बच्चे को दबाए पीछे-पीछे चल रही थी!

कानून धर्म से ऊँचा है। "अखबारों की सुखियाँ थीं। एक संगठन जो कानून से बहुत शक्तिशाली था। धर्म उसकी मुट्ठी में था।

महात्मा जी बाइज्जत बरी हो गए थे। देश की स्थिति को देखते हुए कानून ने हथियार डाल दिए थे!



## 27) ' लाश का सरकारी बेट '

अचानक भीड़ वापस हो रही थी। कारें, ट्रक, मोटर सायकिल सवार, स्कूटर, पैदल, राहगीर सब ही तो वापस हो रहे थे।

कई लोग चौंराहे पर शव रखे चक्का जाम किए हुए थे। एक घटना में वह मारा गया था।

शासन ने मारने वाले के वारिसों को डेढ़ लाख रु. और उस घर के एक व्यक्ति को नौकरी का ऐलान किया तो 'शव' को लोगों ने काँधे पर उठा लिया।

वह अब उसकी मजिल की तरफ ले जा रहे थे।

और फिर....."

इसी देश में इसी शहर में दो कारों के एक्सीडेंट में एक राहगीर की जान चली गई थी। कुछ ही घंटों के बाद उस क्षेत्र में जबरदस्ती दुकानें बंद कराई जाने लगी। भीड़ जमा होने लगी एक युवक शव के पास खड़ा नारे लगा रहा था।

शासन ने उस मरने वाले व्यक्ति के घर वालों को एक लाख रु. की सहायता राशि दी। शव को गति मिल गई!

आज पुनः इसी प्रकार की घटना घटी। स्कूटर पर सवार पूरा परिवार एक बस की दुर्घटना का शिकार हो गया था। पति-पत्नी बच्चे, स्पाट पर ही दम तोड़ चुके थे।

शासन का प्रतिनिधि मृतक के मुखिया के हाथों में पाँच हजार रु. का चेक दे रहा था। उसबार भी और इस बार भी मरने वाला इंसान ही तो था!



## 28) शरण स्थली

वह लोग किसी अच्छे मकान, अच्छे लोग, अच्छा माहोल की तलाश में आए थे। फेमिली छोटी नहीं थी। छः लोगों का परिवार था।

चार लड़कियाँ इस तरह जवान थीं कि विवाह योग्य थीं। उन्हें एक अच्छा मकान या फ्लेट दरकार था।

वह मकान की तरफ से संतुष्ट हो जाते तो लड़कियों के रिश्ते, तलाश करते। अच्छा रहन सहन भी तो रिश्तों का एक अंश है!

उन्हें एक मकान पसन्द आया।

मकान में कई लम्बे चौड़े कमरे, लाइट, पानी, धूप, रौशनी, कार्गोरिज और किसी आयोजन के लिए आवश्यकता होतो मकान के समीप मैदान पड़ा था।

बाजार, हॉस्पिटल, रेलवेस्टेशन, बस स्टेण्ड, पोस्ट आफिस और स्टेडियम,

और साहसी कहीं से आ निकला और उसने शीशे के टुकड़ों को चबा-चबा कर दिखाकर लोगों को और भी हैरत में डाल दिया। देखने वाले कहते थे कि उस व्यक्ति ने एक बार लोहे की कीलें भी हजम कर ली थी! एक अंजाने व्यक्ति ने लंबा काला साँप अपने हलक़ से उगला.....

लेकिन उसका ज़हर आदमी के शरीर में रह गया।



## 25) जड़ों का पानी

वह पठानी सूट धारण किए हुए था। देखने में वह कोई धनवान व्यक्ति लग रहा था अंजानी और भटकती निगाहें किसी मज़िल की तलाश में थीं। वह पुराना सा मकान जो उसके लिए किसी ताज महल से कम नहीं था। अब उसके कुछ भाग पर किसी तनवानी की बिल्डिंग, आकाश से आँख मिला रही थी। उसको अपने बचपन और जवानी के लम्हों की जागीर कहीं दूर तक नज़र नहीं आ रही थी। अनजाने आते-जाते चेहरे उसे भाँप रहे थे। कुछ संकीर्ण किस्म के लोग उसकी वेश भूषा से उसके धर्म का अनुमान लगा कर उसे आतंकवादी, जासूस और मुखबिर जैसे नाम देने ही वाल थे कि उस अजनबी ने एक पुराने वृक्ष के कटे-सूखे तने पर हाथ रखा और उसकी आँखों से आँसू बह निकले।

मुहल्ले के बच्चे इन भावनाओं को मखोल समझ रहे थे तो कुछ लोगों का मनोरंजन था!

“कौन हो भाई कहाँ से आए हो किस की तलाश है। मुहल्ले के एक बुजुर्ग ने निकट आकर पूछा--

“मैं इसी मुहल्ले में कभी रहता था। इसी दरख़त की ऊँचाई से नीचे कूदता था, खेलता था। मैं चालिस वर्ष बाद पाकिस्तान से आया हूँ।”

पूछने वाले बुजुर्ग व्यक्ति और अन्य लोग गंभीर हो गए उनकी आँखों में पानी तेर गया।



## 26) महात्मा जी

उन महात्मा जी के प्रवचनों की दूर-दूर प्रशंसा थी। लोग उनसे आर्शिवाद लेने उनके चरण स्पर्श करने भीड़ में घंटों खड़े रहते थे। उनके दर्शन की एक झलक से लोग धन्य हो जाते थे।

एक जन समूह उनका भक्त था।

और फिर एक दिन अख़बार की सुर्खी से सभी लोग अचभित हो गए। सभी सोच रहे थे कि “क्या महात्मा जी हत्या के षड़यंत्र में शामिल हो सकते हैं?।

“क्या उनके इशारे पर क़त्ल हो सकता है?”

मृतक के जानकारों ने महात्मा जी को रंगे हाथों पकड़ा था।

पुलिस हरकत में आ गई थी।



रहीं, पक्षी रेन बसेरा करते रहे।

और फिर मैं एक दिन रिटायर होकर वापस अपने घर, अपने वतन वापस आ गया।

घर के सभी लोगों की आवश्यकताएं, बड़, की जटाओं की तरह जहाँ झुकी वहाँ एक दीवार की तरह अपना अस्तित्व कायम करती चली गई।

लेकिन अब मैं उसकी घनी छाँव में खड़ा रहने वाला यात्री था। मूल्यों के अत्याधिक परिवर्तनों ने शहर तो क्या अब दिलों को भी इतना संकरा कर दिया था कि एहसास का गुज़र भी मुशिकल से था!



## 23) रात ! रात !!

सारी सृष्टि निद्रावस्था में थी।

और उस रात मौत आहिस्ता-आहिस्ता कदमों से आकाश की स्याही को निगलते हुए, उजाले को अपने बाहुपाश में भर चुकी थी!

इससे पूर्व की सूर्य की किरणें भोर का उदघोष करतीं।

बच्चे, बूढ़े, जवान, मर्द, औरतें, पशु-पक्षी वृक्ष, फल-फूल सारी चीजों पर मौत ने अपना पंजा मजबूत कर लिया था। लोग स्वांसते हुए, अपनी आँखों को मसलते हुए। गिरते-पड़ते दिशाहीन इधर-उधर भटक रहे थे। सर्दी में कोहरे ने एक धुआँ-धुआँ सा माहौल पैदा कर दिया था। लोग इस कोहरे में ऐसे भटक रहे थे कि माहोल ने दिशाओं के चिन्ह निगल लिए हैं! लोग उस तरफ़ ही दौड़ रहे थे, कोहरा जिस तरफ़ से मौत के साए की तरह बढ़ रहा था। लेकिन मानवता ने अपनी शराफ़त को निर्वस्त्र नहीं किया था। उसके साथ सेकड़ों हज़ारों वर्ष की स्वस्थ परंपरा और मूल्यों की विरासत थी! मौत के चंगुल से मानवता के प्रेम और एकता ने बहुत सी जिदिगयाँ आज़ाद करा ली थी। इस एहसास ने मैत्री और मानवता ने शहर के व्यस्तम मार्ग पर बंधुत्व और भाई चारे का शिला लेख स्थापित कर दिया था! देश और विदेश में इस भावना की प्रशंसा हो रही थी!

और फिर एक रात, उसी शहर में साम्प्रदायिक दंगा फूट पड़ा था! वही दो भाई जो देश में एकता की मिसाल थे, आज एक दूसरे के खून के प्यासे थे, रात के सन्नाटे में धार्मिक नारे गूँज रहे थे, लोग अपने उन्माद भरे भाव में सड़कों पर निकल आए थे। पुलिस की गोलियों ने करफ़्यू, की परिभाषा पूरी कर दी थी!

धरती वही थी आकाश वही था।

लेकिन रात के माथे पर न बिन्दी जगमगा रही थी और न ही सितारों का सिंदूर बिखरा था!



## 24) मानव का ज़हूर

शंकर चौक के व्यस्तम चौराहे पर भीड़ के सामने उसने एक छिपकली खाकर लोगों को अचंभे में डाल दिया था। लेकिन उस व्यक्ति का जवाब देने एक

धार्मिक और बाउसूल इतना कि सदियों पुरानी किताबों का पात्र, सच बोलने का ख़व्त उसूली जिन्दगी गुज़ारने का जुनून।

उसका यह आदर्श दोस्तों की मेहफ़िलों, होटलों और केन्टिन की बेन्चों पर घुटकुलों और फूहड़ मज़ाक़ बन कर मनोरंजन का सामान मुहैया कराता।

करीमुद्दीन अपने मिज़ाज के कारण किसी एक थाने पर नहीं रह सका था, और रह भी नहीं सकता था। कुछ उसके वजूद से ख़तरा मेहसूस करते तो किसी की राह का वह कांटा था।

कभी-कभी तो उसके हमदर्द किस्म के कुछ दोस्त उसकी खुशक जिंदगी से तंग आकर कहते "भाई इस पुलिस के महकमे में रहो तो फिर कुछ बनकर रहो वरना किसी नस्जिट के 'इमाम' 'मोअज़िज़न' बन जाओ!"

उसके दूसरे साथियों से अफ़सरान भी खुश थे, और उनसे महकमे की आमदनी भी ख़ूब थी! और एक यह करीमुद्दीन कानिस्टबल था जो न वर्दी का इस्तेमाल करना जानता था और न डंडे को कभी अपना फ़र्ज अदा करने दिया अच्छा खासा महकमे पर बोझ था।

जब ऊपर से आदेश आए कि थाने की आला कारकर्दगी, और श्रेष्ठ सेवाओं का स्टेटमेन्ट, चाहिए, तो करीमुद्दीन ने भी एक ख़ाली हाथ ठेले वाले और बड़ी दरगाह के करीब खड़े हुए गुब्बारे बेचने वाले के चालान फ़ार्म भर कर अपनी वफ़ादारी, ईमानदारी, और अपनी उपलब्धियों का सुबूत दे ही दिया।



## 22) घर का शहर

ख़ूब है वह लोग जो अपना शहर, अपना वतन (देश) छोड़कर कहीं और जा बसते हैं। और एक मैं हूँ कि मेरा वह घर जो शायद देखने में बाकायदा मकान न हो। संकरी अधियारी गली का वह कच्ची दीवारों वाला मकान।

ताज महल में से तो भगा देने का अहसास है, लेकिन मुझे अपने घर से कोई नहीं निकाल सकता। उसके दरोदीवार, बाड़ीगार्ड, की तरह मेरे रक्षक हैं। यहाँ मेरा अपना साम्राज्य है! उसकी चार दीवारी बाप के स्नेह और माँ की ममता की तरह हैं।

उस छोटे से घर में हमारे खेलने-कूदने की दुनिया थी। जब सर पर पक्की छत न थी तो खेल के मैदान की क्या कल्पना। मुझे अपने घर से मोहब्बत क्यों न हो उसकी बाहों में मैं बचपन से जवान हुआ, मैं ही क्या मेरे दूसरे भाई बहनों से एक शहर की सी रौनक थी।

और फिर मैं नौकरी के दौरान शहर बंदर होता चला गया!

मौसमों की मार किसी कमजोर शरीर को मरीज़ बनाती चली गई। मैं अपने वेतन से हर माह कुछ बचाकर अपने मरीज़ से घर का इलाज करता रहा। समय पर इलाज और एहतियात से रोग शैतान की तरह भागता है।

अब वह घर किसी भीमकाय की तरह स्थापित था, उसकी जटाएँ लचकती

के दीप उज्ज्वल करती रही।

आज जब वह 'ऑफिस' जाने लगी तो उसकी नज़र पिंजरे में फड़फड़ाते तोते पर पड़ी। तोता बहुत गंभीर था!

उसने तोते की प्रवृत्ति पर भरोसा नहीं किया, किसी क़ैदी पर नज़र रखने सा व्यवहार करती हुई वह अपने कमरे से निकल गई!

'ऑफिस' से वापसी पर उसकी नज़र पिंजरे पर पड़ी.....

तोता गायब था।

वह ठिठक गई।

तोता पिंजरे से निकल कर दीवार की मुडेर पर बैठ गया था, उसे देख कर वापस पिंजरे में आ गया!

तोते के न तो पर कतरे हुए थे, और न ही उसके उड़ने की शक्ति क्षीण हुई थी!

लड़की का संसार, आबाद था ❀❀

## 20) मिट्टी में सोना

सुनील मेघावी क्षात्र था। उच्च शिक्षा गृहण करने के पश्चात् जब वह नौकरी की तलाश में प्रयास करने लगा तो उसने अपने बुजुर्गों से इस संदर्भ में जानना चाहा। उसके समक्ष सेना' की नौकरी थी, उच्चाधिकारी की नौकरी उसके सामने हाथ बांधे खड़ी थी। और भी अन्य नौकरियाँ थीं।

किसी ने कहा बिज़िनस करो।

"कालेज में प्रोफ़ेसरी....."

"नहीं नहीं, रेल्वे ज्वाइन करो"।

एक व्यक्ति जो काफी देर से चुप बैठा हुआ था, बोला!

"बेटा पुलिस में नौकरी.....!"

उस दूरदृष्टा ने एक वाक्य में टकसाल खोल दी।

❀❀

## 21) कागज़ का पेट

करीमुद्दीन न जाने किस मिट्टी का बना हुआ था जिसे न तो अपने आला अफ़सरों की बेवजह धमकी ही डरा सकी और न ही उसे किसी सांसद विधायक के फ़ुज़ूल टेलीफ़ोन और उनके रोबीले जिस्म और कड़कदार आवाज़ की ही फ़िक्र थी। वह अपनी मर्जी का मुख्तार तो नहीं था, पुलिस का एक साधारण सा कॉन्स्टेबल, था। एस. पी., टी. आई का मातहत। उसकी ताक़त और हिम्मत क्या हो सकती थी!

वह अपने अन्य साथी पुलिस वालों के काँधों पर एक स्टार फिर डबल स्टार और फिर थ्री स्टार पाने पर वह उन्हें मुबारकबाद तो देता, लेकिन अपने लिए वह काँधों की तमन्ना नहीं रखता था।

आज जब वह हर रोज़ की तरह स्टाफ़रूम में बैठे सोफ़े पर ही ठेका दे रहे थे। चपरासी ने आकर कहा:.....

“साहब याद कर रहे हैं.....”

“स्टाफ़रूम में बैठे दूसरे साथियों ने कहा-

“मुबारकबाद” तो ख़ैर आप ही ले लेना, लेकिन साहब से मिठाई का डब्बा इधर भी ले आना।

उस्ताद रमज़ान खाँ ने पान की पीक से भरे होंठ साफ़ किए, छड़ी उठाई और गुनगुनाते हुए कमरे के दरवाज़े पर “नेम प्लेट” पर नज़र डाल कर दाख़िल हुए!

“हुज़ूर आदाब अर्ज़ है”

“कल रात आप ने समारोह में तबला बजाने की इजाज़त.....”

उस्ताद रमज़ान खाँ की छड़ी शरीर का बोझ सहन न कर सकी वह चरमरा गई!

उस्ताद, पसीने में तर-बतर अपनी छाती के दर्द को मसलते हुए टी. वी. केन्द्र की सीढ़ियां उतर रहे थे।



## 18) पसीने की मेहन्दी

अब न जाने क्यों रस्मों और मौसमों में वह आकर्षण और दिलकशी नहीं रही। शायद इसलिए कि रस्में, कस्में ही हो गई हैं कि हरहाल में निभाना ही पड़ती है।

रस्में तो ऐसी कलियों की तरह हैं जिन्हें पवन झकोरा गुदगुदा कर मुस्कुराने पर मजबूर करता है और उसके एक कोमल स्पर्श से कहकहा फूट पड़ता है कि सारी सृष्टि झूमने लगती है। लेकिन दक्खिनानूसी रिवाजों ने रस्मों के चेहरों पर भद्दा पावडर पोत दिया है!

वह दोनों जब अपने एक मित्र के यहाँ जाने के लिए घर से निकले तो उसकी पत्नी ने बिना बात की शिकायतों का “केसिट” खोल दिया।

वह सवा महीने से पहले किचिन के धुएँ और घुटन के पचड़े में नहीं पड़ना चाहती थी, क्योंकि उसकी मेहन्दी का रंग फीका पड़ जाएगा।

“क्या देख रहे हो इतने गौर से.....?”

उसने पति को कोहनी का ठूँसा देते हुए कहा!

एक नई-नई दुल्हन जिसकी मेहन्दी ताज़ा थी और महावर का रंग भी हल्का न हुआ था अपने मज़दूर पति के साथ हाथ ठेले पर लदा बोझ ढो रही थी।



## 19) सच्चा झूठ और झूठ सच

जब वह नज़र से ओझल होने लगा तो उसको “हमसफ़र” की जुदाई के साये अपनी बाहों में जकड़ने लगे लेकिन वह इन भयानक अंधेरों में भी आशाओं

उस्ताद के कुछ करीबी मित्रों का तो यहाँ तक कहना था कि वह थकना नहीं जानते थे। और इस दौरान वह कब नींद की किस्त पूरी कर लेते थे। सामने बैठे दर्शक यह सोच भी नहीं सकते थे!

उस्ताद को तबले पर इतना कमाल हासिल था कि जहाँ उस्ताद की हथेली की छाया पड़ी कि तबले में ध्वनि पैदा हो गई, उनके बारे में यह किवदंती थी!

कुछ दिल जलों ने तो ईष्या के कारण उस्ताद को विषपान का षड़यंत्र भी रचा था लेकिन जिसे खुदा रखे उसे कौन चखे!

वह ऐसे जहर के घूंट न जाने कब से पी रहे थे। साँच को आँच नहीं।

उस्ताद नवाब अख़तर ज़माँ के दरबारी "तबलानवाज़" तो थे ही लेकिन वह कभी-कभी विशेष आग्रह और फ़रमाइश पर अन्य रियासतों में भी बजा आया करते थे! और ऐसा बजा आया करते थे कि तबले की गूँज वहाँ के दरोदीवार सोख लिया करते थे!

जुल्फ़िकार अली शतारी ने जब उनका तबला सुना तो कह उठे "सुब्हानल्लाह" वाह-वाह कहते ही रहे। शतारी के बारे में मशहूर था कि वह अच्छे से अच्छे कलाकार की प्रशंसा नहीं करते थे। लेकिन उस्ताद रमज़ान खाँ ने उनसे अपना कर्ज़ अदा करा ही लिया था!

"उस्ताद टी. वी. को भी इज़ज़त बख़्शिए"

"मेरा फ़न फ़रमायशी प्रोग्राम नहीं है।" उस्ताद ने टका सा जवाब दे दिया।

"उस्ताद आपको तो सिर्फ़ हाज़री रजिस्टर पर चिड़िया बैठाना है।"

अंततः नवाब अख़तर ज़माँ के आग्रह ने भी उस्ताद को टी. वी. केन्द्र की सीढ़ियों तक पहुँचा ही दिया!

डायरेक्टर जुल्फ़िकार अली शतारी स्वयं खड़े होकर उनका स्वागत कर अपने कमरे तक लाए थे।

उस्ताद को, नवाब अख़तर ज़माँ की मेहफ़िल और टी. वी. के स्टूडियो में कोई विशेष अंतर महसूस नहीं हुआ। फ़न, की दाद देने वाले यहाँ भी थे और वहाँ भी मौजूद थे!

उस्ताद मन मौज़ी इतने कि जब उनका जी चाहा तो बजा दिया और न बजाने पर आए तो नवाब अख़तर ज़माँ और जुल्फ़िकार अली शतारी कितना ही जोर लगाएँ। तानसेन समोराह में जब बजाने पर आए तो खुद ही कह उठे कि मुझे आज पता चला कि मेरा कितना रियाज़ है।

उस्ताद की उंगलियाँ जब तबले पर थिरक रही थीं तो वह अपने परिवेश से बे परवा नज़र आ रहे थे। पूरा शरीर केवल हथेली बनकर तबले पर मचल रहा था!

डायरेक्टर शतारी भी डूब कर सुन रहे थे! प्रातः अख़बारों में उस्ताद के बड़े-बड़े फोटो के साथ लेख, समाचार, समीक्षाएँ, फीचर के साथ बधाईयों, मुबारकबादियों का सिलसिला था।

प्रकाशित हो गया था। वही शीर्षक वही कहानी।

अब मैं उसका केवल पाठक था।



### 15) अंतिम इच्छा

जेल में कुछ अपराधी पुलिस वालों के हाथों दण्डित किए जा रहे थे। यहाँ तक कि जुर्म कुबूलवाने में उन्हें अंधा भी कर दिया गया था।

देश में विकलांग वर्ष किसी उत्सव के रूप में मनाया जा रहा था!

उक्त अपराधियों को अदालत से फाँसी का फैसला हुआ था। जब उन्हें फाँसी देने का समय आया तो जेलर ने उन कैदियों से उनकी अन्तिम इच्छा पूछी। तो कई कैदियों ने एक स्वर होकर कहा "कुछ नहीं"।

लेकिन एक नवजवान कैदी ने कहा -

"मैं केवल रौशनी देखना चाहता हूँ"।

जज, जेलर और पुलिस के उच्च अधिकारी एक दूसरे का मुँह तक रहे थे।



### 16) हम एक हैं !

मैं इंदौर के साकेत नगर में एक किराए के मकान की तलाश में फिर रहा था! कई मकान देखने के पश्चात् एक मकान पसंद आया। किराया दो हजार रु. था! मकान पसंद था तो किराया भी स्वीकार था!

जब मेरे साथी ने मालिक मकान को बताया कि यह मेरे साथ आकाशवाणी में हैं तो मालिक मकान मुस्कुराते हुए हम लोगों को ससम्मान अंदर कमरे में ले गया। मकान की समस्त सुविधाएँ बताने के बाद उसने मेरा नाम पूछा तो मैंने कहा

"मोहम्मद....."

मैं अभी अपना पूरा नाम भी बता ना पाया था कि उसने खिसियाते हुए कहा "क्षमा कीजिए, मकान नहीं दे सकेंगे"।



### 17) " हुज़ूर आदाब अर्ज है "

उस्ताद रमज़ान खाँ खानदानी तबला वादक थे। श्रेष्ठ कलाकारों में गिनती होती थी उनकी। रियासतों के नवाबों और नेरशों के यहाँ शाही मेहमानों से रहा करते थे!

नवाब अख़्तर ज़माँ ने शायद अपने शहजादों का पालन पोषण इस लाड प्यार से नहीं किया होगा जो नाज़ नख़रे उन संगीतकारों, गायकों, शायरों के उठाए थे। नवाब अख़्तर ज़माँ मे देश के एक से बढ़कर एक तबला नवाज़ अपने दरबार, महल में जमा कर रखे थे।

उस्ताद के पूरे शरीर में सरम्बती साक्षान् उतर आई थी। वह जब टायॉ-बायॉ लेकर बैठते तो सुन्ने वाले ही थक जाते। उस्ताद का "रियाज़" ज़बरदस्त था!

## 12) प्रसिद्धि

एक शायर ने नज़्म कही। वह नज़्म मुशायरे में पढ़ी। शायर को काफी 'दाद' मिली लेकिन एक और शायर की तुलना में वह नज़्म इतनी मशहूर न हो सकी। कुछ दिनों बाद एक दीवार पर उर्दू-हिन्दी में पोस्टर चम्पा था!

पोस्टर पर बड़े अक्षरों में लिखा था "हमारे धर्म के साथ मज़ाक़ किया गया है।" ख़बर शहर में जंगल की आग की तरह फैल गई।

एक जाँच आयोग बैठा।

उक्त नज़्म की समीक्षा की गई। परन्तु इसमें ऐसी कोई बात नहीं निकली जिससे किसी मज़हब या धर्म, संप्रदाय को ठेस पहुँचे।

परन्तु शायर की नज़्म का शहर-शहर, गली-गली और पत्र-पत्रिकाओं में दिनों चर्चा रहा!

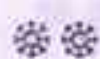


## 13) शेटी की कीमत

एक नव युवक, एक नेत्रहीन भिखारी को सहारा देकर होटल में ला रहा था। उक्त युवक ने बहुत ही सज्जनता से उस नेत्रहीन भिखारी को होटल की बेंच पर बैठा दिया! वह युवक आर्थिक दृष्टि से कोई सम्पन्न परिवार का नहीं दिख रहा था और ना ही वह कोई अच्छे वस्त्र धारण किए हुए था! नव युवक को देखकर यह आभास भी नहीं हो पा रहा था कि उसके मन में नेत्रहीन के लिए कोई अपार दया की भावना होगी। बार-बार यह जिजासा हो रही थी कि इतनी मेहरबानी का क्या कारण हो सकता है! स्थिति से यह भी स्पष्ट हो गया था कि वह आपस में रिश्तेदार-नातेदार भी नहीं हैं।

जब वह वृद्ध नेत्रहीन व्यक्ति भोजन से निवृत्त हो चुका तो युवक ने अपना मुँह उसके कान तक लेजाते हुए पूछा.....

“ बाबा, आज क्या आएगा”?



## 14) चयन

एक ब्रासदी से प्रभावित होकर मैंने एक अफ़साना (कहानी) लिखा, और कुछ दिनों पश्चात् अपने नगर के एक प्रसिद्ध कथाकार के पास वह अफ़साना ले गया। कथाकार ने वह अफ़साना सुन्ने के बाद मुझाव दिया कि यह अफ़साना उक्त पत्रिका में प्रकाशनार्थ पहुँचादो।

“आपको सुनाने से पूर्व यह अफ़साना उसी पत्रिका में पहुँचाया था परन्तु सधन्यवाद वापस आगया” कथाकार ने मुझसे वह अफ़साना लेकर कुछ दिनों बाद आने को कहा।

और फिर एक दिन जब मैं एक यात्रा से अपने नगर वापस आ रहा था तो समय काटने के लिए मैंने एक पत्रिका खरीद ली। मेरा अफ़साना उस में

## 9) ज़रूम-ए-तमन्ना

उसकी शादी हुए दस वर्ष बीत गए थे! उसका पति एक कम्पनी में उच्च पद पर था। वह पति के जाने के बाद दिन को पहाड़ समझती थी। दूर आकाश में उड़ने वाले सुन्दर पक्षी उसके आंगन में नहीं उतरते थे। गमलों में रखे पेड़-पौधे हरे भरे नहीं थे!

वह अभी तक कुंवारी थी!



## 10) 'हफ़्ता'

जब "खास" बाज़ार में हीरा बाई को अपना धंधा ठप होता नज़र आया तो वह मुम्बई बाज़ार की अंधेरी गली में एक खोली लेकर रहने लगी। शनैः शनैः यहाँ हीरा बाई का धंधा चल निकला।

जब एक नए ग्राहक ने उस गली में कदम रखा तो एक सिपाही से उसका सामना हो गया। सिपाही को देखकर वह ग्राहक कुछ ठिठक सा गया।

परन्तु....."

सिपाही अलमस्त अपना डंडा अनावश्यक हवा में लहराता हुआ, अपनी मूँछों पर ताव देता हुआ करीब से गुज़र गया।

जैसे ही हीरा बाई के कमरे का दरवाज़ा बंद हुआ तो कुछ अंतराल के बाद दरवाज़े पर एक जोरदार चोट हुई।

यह सिपाही के डंडे और उसकी लात का भरपूर आक्रोश था।

हीरा बाई ने जैसे ही दरवाज़ा खोला सिपाही ने उसे एक सांस में वह-वह गालियाँ बक दीं जो शायद उस गली के धंधे वाले भी नहीं बक सकते थे।

सिपाही ने उसकी आँखों में आँखे डाल दीं।

"हाँ दो दिन ऊपर चढ़ गए हैं।" हीरा बाई ने कहा। हीरा बाई ने अभी तक "हफ़्ता नहीं पहुँचाया था!



## 11) भूगोल का शहर

मेरा बच्चा स्कूल की शिक्षा के अलावा घर पर पिता जी से भी पढ़ता है। आज वह उसे भूगोल पढ़ा रहे थे। भूगोल पढ़ाने के दौरान उन्हें भारत के मानचित्र की आवश्यकता पड़ी। वह अपने कमरे में गए और भारत का मानचित्र उतार लाए।

"देखो यह है उ. प्र. का शहर "मुरादाबाद" पिता जी ने मुरादाबाद कहकर उस स्थान पर उंगली रख दी। "यहाँ के नक़शीन बर्तन बहुत मशहूर है" पिता जी ने उस शहर की विशेषता बताई।

"दादा अब्बा यहीं पर तो ईद के दिन....."

"खामोश रहो, जो हम बता रहे वह सुनो"।

पिता जी ने कहा!



स्पीकर अपनी तीव्र आर कर्कश ध्वनि में वक्ताओं का विष उगल रहे थे।

भयभीत लोग अपने घरों में दुबके हुए इस भयानक माहोल को टालने के लिए अपने-अपने ईश्वर से प्रार्थनाएं कर रहे थे।

नगर में भयावह माहौल था।

लोगों के चेहरों पर प्रश्नों की लकीरें उभर रही थीं कि कहीं कोई अप्रिय घटना न घट जाए।

अंततः वह हवा का झोंका नगर से गुजर गया लोगों ने राहत की साँस ली और आँखों ही आँखों में एक दूसरे को बधाई दी।



### 5) ' शहरनामा '

गली, कूचे, सड़क और बाज़ार सन्नाटों का नगर था भय के कारण लोग घरों में कैद थे। किल्कारियाँ ममता की गोद में दफ़न थीं। वहशी अपनी हथेलियों में मेहन्दी रचाए हुए थे।



### 6) धूप का मौसम

कुछ दिनों से उस बस्ती में केरोसिन की इफ़रात (वृद्धि) हो गई थी। झोंपड़ियों में दिवाली उतर आई थी। राशन की मुट्ठी खुल गई थी। नलों से तेज़ धार में पानी बहने लगा था। जीवन की परिभाषा बदल गई थी।

शायद उन बस्तियों में भगवान उतर आया था।

और दीवारें इलक्शन के पोस्टर पहने हुए थीं।



### 7) शेटी का पेट

सर्दी की तेज़ लहर ने जीवन की समस्त-गतिविधियों को जकड़ लिया था अमीरों के "आतिशकदे" भी इस शीत लहर को दबा नहीं पा रहे थे। दो-चार दिन बाद जब सूर्योदय हुआ और उसने अपनी किरणों से भरपूर गर्मी का उद्घोष किया तो नुकीली किरणें उनके शरीर पर धंसती गईं। परंतु उसकी अनुभूति में कोई अंतर नहीं पड़ा। वह कोई ठोस पदार्थ ईट-पत्थर नहीं था और न ही कोई अजूबा।

वह गड्ढे खोदने वाला एक साधारण सा मज़दूर था।



### 8) दहेज

वह एक धनाइय परिवार में बियाही गई थी। लड़की अत्यंत-सुशील, सुन्दर और शिक्षित थी, परन्तु लड़की की यह दौलत, लड़के वालों की दौलत न थी। लड़की अंतिम बार अपनों से गले मिल रही थी। बरात में लाया गया ट्रक ख़ाली खड़ा था।

### 1) जिन्दगी नामा

मैं, जब सुबह घर से बाहर निकला था,  
तो एक सादा कागज़ की मानिन्द था।  
और जब शाम को वापस हुआ तो एक अरुब्वार था।

\*\*\*

### 2) जाँनिस्खाने हिन्द

देवास के पी. जी. बी. टी. कॉलेज में वार्षिकोत्सव था। कॉलेज के हाल को दुल्हन की तरह सजाया गया था। हॉल में चारों ओर गाँधी जी, नेहरू जी, लोकमान्य तिलक, टैगोर मदन मोहन मालवीय, सरदार वल्लभ भाई पटेल, डॉ. राधा कृष्णन, स्वामी दयानंद, लाल बहादुर शास्त्री, राम प्रसाद बिस्मिल, चंद्र शेखर आज़ाद और भगत सिंह की बड़ी तस्वीरें लगी थीं। यह तस्वीरें हमारे देश हिन्दोस्तान की महान हस्तियों की थीं।

एक-एक तस्वीर देखने के बाद मेरे मानस पटल पर कुछ चिन्ह उभरने लगे। मौलाना मो. अली जौहर, मौलाना अबुल कलाम आज़ाद, हवलदार अब्दुल हमीद, अशफ़ाकुल्लाह, बरकतुल्लाह भोपाली, फ़ज़ल हक़ खैरआबादी, बहादुर शाह जफ़र

क्या यह ग़द्दाराने वतन थे?

\*\*\*

### 3) कौमी एकता

जब एक विदेशी पत्रकार हमारे देश भारत आया तो वह यहाँ के एतिहासिक भवन-स्थल देखकर बहुत प्रभावित हुआ। यहाँ के मौसमों का खूब आनन्द लिया। यहाँ की संस्कृति और सभ्यता के विषय में जानकर प्रसन्न हुआ।

विदेशी पत्रकार ने अपनी डायरी में लिखा भारत देश, विश्व के समस्त देशों में स्वर्ग का स्थान रखता है।

फिर वह एक अजनबी से मिला और उससे पूछने लगा।

“आपके यहाँ ऐसा कौन सा अवसर होता है, जबकि हिन्दू- मुस्लिम एक होकर \_\_\_\_\_?”

अजनबी को इस प्रश्न में कोई रुची नहीं थी। उसने, बोर होते हुए कहा “दंगा” “यह कब होता है”? विदेशी पत्रकार ने इसे कोई पवित्र उत्सव समझकर पूछा।

“प्रायः त्यौहारों के अवसर पर।”

अजनबी ने खींज कर कहा।

\*\*\*

### 4) सलीब बरदोश

धर्म को बुनियाद बनाकर नगर में एक आयाजेन था। बड़े-बड़े

# محمد خالد عابدی کی تصنیفات و تالیفات

آواز نما • (ریڈیو ڈراموں کا مجموعہ) ۱۹۷۵ء

باغ فکر معروف بہ مقطعاتِ نساخ • (ترتیب و تدوین) ۱۹۷۷ء

پیکر آواز • (ریڈیو اور اسٹیج ڈراموں کا مجموعہ) ۱۹۸۳ء

زخموں کے درتپے • (افسانوں کا مجموعہ) ۱۹۸۸ء

شکایتا عرض ہے • (طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا مجموعہ) ۱۹۹۱ء

اردو انٹرویوز • (اردو ادیبوں، شاعروں اور فلمی ہستیوں سے مراسلاتی انٹرویوز) ۱۹۹۲ء

ٹپھر کے بغیر • (بچوں کے ڈرامے) ۱۹۹۳ء

مضامین خالد • (تحقیقی و تنقیدی مضامین کا مجموعہ) ۱۹۹۵ء

اردو مراسلاتی انٹرویوز • (اردو ادیبوں، شاعروں اور فلمی ہستیوں سے مراسلاتی انٹرویوز) ۱۹۹۶ء

ہماری فلمیں اور اردو • (اردو شعراء، ادباء کی فلموں سے وابستگی اور اردو میں فلمیات) ۲۰۰۹ء

نقطہ نوگریز • (مثنوی افسانوں کا مجموعہ) ۲۰۰۹ء

محمد خالد عابدی / مکتبہ عابدیہ

۵۳۵، دل آرام ہاؤس، ہوا محل روڈ، بھوپال (ایم۔ پی)

محمد خالد عابدی / مکتبہ عابدیہ

رائل ہومس، فلیٹ نمبر جی۔ ۳، ۱۷۔ چوہدری پورہ، پرانا قلعہ، بھوپال

ہماری مشرقی قصہ گوئی کی صنف میں 'منشی کہانی' کا فن کبھی حکایت تو کبھی لطائف کی شکل میں نمودار ہوا۔ کبھی سعدی تو کبھی گلہ دستہ میدری کی شکل میں بار آور ہوا۔ اردو میں منٹو کے علاوہ آج بھی اس کے لکھنے والوں کے کچھ مستر نام موجود ہیں۔ قصے کی یہ ہیئت اپنے اثر انگیز اور معنی آفریں اختصار کے وصف سے پہچانی جاتی ہے۔ داستان اگر ماجرے کو پھیلائے گا فن ہے تو یہ سمیٹنے کا۔ اس صنف کا سب سے بڑا کھیل یہ ہے کہ اسکی خاکستر کی چنگاری قاری کی فکر و احساس پر چند سطروں میں شعلہ بن کر بھڑک اٹھتی ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ اکثر فکشن نگار اسے لائق اہتمام نہیں سمجھتے۔

بہر حال خالد عابدی کی منشی کہانیوں کا یہ مجموعہ ہماری اس مال اللہ مال روایت کی توسیع کی ایک دلچسپ کوشش ہے۔ موصوف نے اس ضمن میں جو تجربے کئے ہیں انھیں پڑھ کر قاری کے مزے سے کبھی تو بے ساختہ داد نکل جائے گی جیسا کہ اچھا شعر پڑھنے پر ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ تجربہ نہ تو ایک جھسکی دھار رکھتے ہیں اور نہ مشافی۔ خالد عابدی جیسے جیسے اس فن میں اترتے جائیں گے اس کے اسرار و رموز ان پر کھلتے جائیں گے۔

اقبال مجید

۳ دسمبر ۲۰۰۸ء بھوپال